دوسری طرف اکثر صحابہ امہات المومنین، حرمین شریفین کے اکثر باشندے، کل اہل شام اور امت کا سوادِ اعظم قصاص عثمانؓ کے مسئلہ پر متحد و متفق تھا اور اس امر کا شدت سے احساس عام طور سے صحابہ کو تھا کہ خلیفہ برحق کو یوں ظلماً قتل کر کے قاتلین کا اپنے اثر سے دوسرے کو اس کی جگہ

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) بڑے صاحبزادے حسنؓ ان لوگوں سے دور رہنے کا بار بار مشورہ دیتے ان کے چچیرے بھائی حضرت ابن عباسؓ نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ اس حالت میں اپنی بیعت لیں گے۔ لوگ خون عثمانؓ کا الزام لگادیں گے کہ قیامت تک نہ مٹے گا۔ ان انت قمت بھذا الامر الآن الزمک الناس دم عثمان الی یوم القیامۃ (تاریخ الاسلام ذہبی ص۱۳۱ ج۳) اب وہ بار بار قسمیں کھاتے قاتلین پر لعنت کرتے او اپنی بریت کا اظہار کرتے جمل کے موقع پر جب حضرت طلحہؓ نے ان سے کہا تھا کہ تم نے لوگوں کو عثمانؓ کے خلاف اکسایا تھا فرمایا تھا: اے طلحہ! تم مجھ سے خون عثمان کا مطالبہ کرتے ہو میں تو ان کے قاتلین پر لعنت بھیجتا ہوں۔ جمل کے بعد حضرت معاویہؓ سے مراسلت کا سلسلہ چھیڑا، ایک خط انہیں لکھا تھا کہ تم خون عثمانؓ سے بریت کا اظہار کرتے ہو، اگر اپنے قول کے سچے ہو تو قاتلوں کو ہمارے حوالے کردو کہ ہم ان سے قصاص لیں پھر ہم سے زیادہ تمہاری بیعت کرنے میں کوئی سبقت نہ کرے گا۔ اب یہ ان کے بس کی بات نہ رہی تھی حضرت معاویہؓ کی طرف سے جب جلیل القدر صحابہ کا وفد ان کے پاس آیا جس میں یہ حضرات شامل تھے یعنی معن بن یزید بن الاخنسؓ بدری صحابی، حبیب بن مسلمۃؓ القرشی جو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے فوجی دستہ لے کر مدینہ گئے تھے وادی القری سے ان کے شہید ہو جانے کی خبر سن کر دمشق لوٹ گئے تھے نیز شرجیل بن السمطؓ جو حضرت علیؓ کو قتل عثمانؓ میں شریک جانتے تھے (الاستیعاب ص۵۸۸ ج۲) وفد نے قاتلین کے حوالے کر دینے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ اس کے بعد آپ کی بیعت سے کسی کو انکار نہ ہوگا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ میری طاقت سے باہر ہے کیونکہ یہ لوگ بیس ہزار سے زیادہ ہیں (اخبار الطوال ص۱۸۲) پھر دوسرے دن مسجد میں ان لوگوں نے مجتمع ہو کر وفد کے سامنے صاف کہہ دیا تھا کہ ہم سب قاتلین ہیں۔ یہ واقعات تو اس زمانہ کے ہیں جب دونوں پارٹیوں میں سخت کشاکش تھی صفین سے لوٹتے وقت حضرت علیؓ نے جو فرمان اپنے علاقہ میں گشت کرایا تھا اس میں اس کا اظہار کر دیا تھا کہ اہل شام میں اور ہم میں خون عثمانؓ کے معاملہ میں مقابلہ ہوا اور ہم اس خون سے بری ہیں۔ زیادہ قرین صحت یہی ہے کہ وہ قتل کی سازش میں شریک نہ تھے البتہ انہوں نے اس قتل کے رد کنے کی کوئی موثر کوشش نہیں کی اور یہ سخت فروگذاشت ہوئی بقول ایک مستشرق سر ولیم میور علیؓ کی شہرت پر جو ان مٹ دھبہ ہے وہ یہی ہے کہ انہوں نے اس خلیفہ کے

بقیہ اگلے صفحہ پر

قایم کر دینا نظام خلافت کی بربادی اور خلافت نبوت کے ختم ہو جانے کے مرادف ہے۔ دور نزدیک کے سب صحابہ اس خیال کے تھے حضرت ثمامہ بن عدیؓ القرشی صحابی کو جو عہد عثمانی میں صنعا (یمن) کے عامل تھے جب ان اندوہناک حالات کی اطلاع ملی مسجد میں خطبہ دینے کھڑے ہوئے، شدت غم سے رونے لگے اور دیر تک روتے رہے پھر کہا: آج امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خلافت نبوت کا خاتمہ ہو گیا اور اب ملوکیت اور جبری حکومت کا دور دورہ شروع ہوا (الاستیعاب ص۷۹ ج۱ وازالۃ الخفاء ص۲۵۱ ج۲) اس حالت میں صحابہ کرام و ام المومنین نے یہ دیکھ کر کہ حضرت علیؓ وقتی مصلحتوں کی بناء پر قصاص کو موخر کر رہے ہیں اور اپنی بیعت کی تکمیل کو مقدم سمجھتے ہیں یہ طے کر لیا کہ نظام

لہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں حضرت علیؓ کا یہ قول مختلف طریقوں سے منقول ہے کہ عثمانؓ نے ایسی کارروائیاں کیں جن کو لوگوں نے برا سمجھا انہیں قتل کر دیا۔ حضرت شرجیلؓ کے اس سوال پر کہ عثمانؓ آپ کے نزدیک ظلماً قتل کئے گئے یا نہیں حضرت علیؓ کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ: "نہ میں اس کا قائل ہوں کہ وہ ظلماً قتل ہوئے اور نہ اس کا قائل ہوں کہ قتل کے وقت وہ ظالم تھے (ابن خلدون ص۴۳۳ ج۲) ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ نے ایک خطبہ مشمولہ نہج البلاغۃ کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علیؓ نے نہ ان کے قتل کا حکم دیا اور نہ اس سے منع کیا کیونکہ ان کے نزدیک وہ ان امور مباح میں سے تھا جن کے کرنے نہ کرنے کا حکم ہی نہیں دیا جا سکتا وہو فی حکم الامور المباحۃ التی لا یؤمر بھا ولا ینھی عنھا (شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید) لیکن دوسرے موقع پر ان کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ "نہ میں نے عثمانؓ کو قتل کرایا اور نہ ان کے قتل کو پسند کیا" ان متضاد اقوال سے جو مختلف کتب میں نقل ہوئے ہیں صحیح نتیجہ اخذ کرنا دشوار ہے۔ نہج البلاغۃ کے مولف نے جو ناشائستہ الفاظ حضرت عثمان ذی النورینؓ جیسے حلیم و کریم، فیاض و سخی خلیفۂ راشد کے بارے میں حضرت علیؓ سے منسوب کئے ہیں جنہیں ایک طبقہ بہت کچھ اچھالتا رہتا ہے وہ محض وضعی ہیں اور حضرت علیؓ کے اعلیٰ اخلاق کے قطعاً منافی سب و شتم کے فقرات کے علاوہ حضرت عثمانؓ کی شہادت اور اپنی خلافت کے بارے میں مولف مذکور نے ایک خطبہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

قتل کو رد کنے میں کوئی موثر کوشش نہیں کی جن کی بیعت میں وہ داخل تھے اور اس لئے ان کا فرض تھا کہ نازک وقت میں ان کا ساتھ دیتے یہ عذر کہ وہ خود بلوائیوں سے دبے ہوئے تھے قابل پذیرائی نہیں اگر خلوص نیت سے کوشش کرتے تو ضرور اس کی تدبیر کی جا سکتی تھی۔ (ملخصاً)

خلافت کی حرمت کے تحفظ کے جذبہ صادقہ کے ساتھ قصاص لینے کا خود ہی اقدام کریں جو شرعاً واجب اور تقاضائے وقت کے اعتبار سے اہم اقدام تھا۔ حضرت علیؓ سے کچھ تعرض نہ کریں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔

حضرت عثمانؓ رشتہ کے تعلق سے ام المومنین عائشہؓ کے داماد تھے، ان کی دو سوتیلی بیٹیوں سیدہ رقیہ وام کلثوم دختران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوہر تھے ان کو یہ حق بھی پہنچتا تھا کہ داماد کے مظلومیت کے ساتھ ناحق قتل کردیے جانے کا قصاص لے سکیں وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا (جو کوئی مظلوم قتل کیا جائے اس کے ولی وارث کو قصاص کا ہم نے ضرور اختیار دیا ہے) پھر حضرت عائشہؓ کی ذہنی ونفسیاتی کیفیات بھی اس اقدام کے لئے مجبور کر رہی تھیں۔ ہر فرمانبردار اور محبت والی بیوی اپنے شوہر کی ایک ایک بات ایک ایک ادا کو نہاں خانۂ دل میں محفوظ رکھتی ہے۔ حضرت عائشہؓ کب اس واقعہ کو فراموش کرسکتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان محبوب صحابی اور چہیتے داماد حضرت عثمانؓ کو صلح حدیبیہ سے چند دن پہلے کفار قریش سے گفتگو کرنے مکہ بھیجا تھا، واپسی میں دیر ہوئی اور یہ غلط خبر مشہور ہوگئی کہ عثمانؓ قتل کردیے گئے آنحضورؐ نے اپنے چودہ یا پندرہ سو صحابہ سے خون عثمانؓ کے انتقام وقصاص کے لئے بیعت لی تھی جو بیعت الرضوان اور بیعت الشجرہ کہلاتی ہے۔ سورۂ فتح کی آیتیں اسی پر نازل ہوئیں۔ ایک آیت پچھلے اوراق میں درج ہے۔ آپؐ نے اپنے ایک دست مبارک کو عثمانؓ

(حاشیہ صفحۂ گزشتہ) میں حضرت علیؓ کی زبان سے یہ الفاظ کہلوادیتے ہیں:۔

"قد طَلَعَ طالعٌ ولَمَعَ لامعٌ (الی آخرہٖ) یعنی طلوع ہونے والا (آفتاب) طلوع ہوا (حق کی) چمکنے والی (بجلیاں) چمکیں۔ ظاہر ہونے والی (خلافت علیؓ) ظاہر ہوگئی، منحرف شدہ (دین) راست ہوگیا اور پروردگار عالم نے ایک قوم (عثمان و بنی امیہ) کو گروہ (حق پرست) کے ساتھ اور ایام (شقاوت) کو ایام (سعادت) کے ساتھ ایسی حالت میں تبدیل کردیا کہ ان تغیرات کا اس طرح انتظار کر رہے تھے جیسے قحط سالی میں باران رحمت کا انتظار ہوتا ہے۔"

— (٭) —

کا ہاتھ قرار دیکر فرمایا تھا کہ یہ ہاتھ ہمارا ہے اور یہ عثمان کا پھر بیعت کی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یکدست مبارک خود را عوض دست حضرت عثمان برداشتند که هذه یدی وهذه ید عثمان و این تشریف عظیم بود۔
(ازالۃ الخفا صـ۲۲ ج ۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک دست مبارک کو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کے بدلے اٹھایا اور فرمایا کہ یہ ہاتھ ہمارا ہے اور یہ عثمان کا۔ یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کے بہت بڑے شرف کا موجب تھا۔

پھر اللہ تبارک تعالیٰ نے قصاص عثمانؓ کی اس بیعت کو پسند فرمایا ذیل کی آیت نازل ہوئی:۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا۔

جو لوگ (اے رسول) تم سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر جو عہد کو توڑے تو عہد توڑنے کا نقصان اسی کو ہے اور جو اس بات کو جس کا اس نے خدا سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اس کو اجر عظیم دیگا۔

اسی علام الغیوب کو معلوم تھا کہ عثمانؓ اس موقع پر تو قتل ہونے سے بچ جائیں گے مگر ایک دوسرے موقع پر انتہائی مظلومیت سے اسی قرآن مجید کی تلاوت کرتے شہید کردیے جائیں گے جس میں یہ آیت سورہ فتح کی ہے اور یہ بیعت جوان کے قصاص خون کی اب لیجارہی ہے، درحقیقت اسی مظلومیت کی شہادت کا قصاص لینے کی ہے جس کے نتیجہ میں خلافت نبوت کا خاتمہ ہوکر اخوت واتحاد و ائتلاف ملت کا شیرازہ بکھر گیا۔

حالت جب اس درجہ بگڑ چکی تھی کہ خلیفہ مظلوم شہید کی تدفین میں رکاوٹیں ڈالی گئی تھیں، نماز جنازہ کی شرکت سے گریز کیا گیا تھا مقتول امیر المومنین کی بیوہ کی چیخوں پر ان کے یتیم اولاد کی آہ وزاری پر کوئی کان بھی نہ دھرتا تھا۔ قصاص سے پہلوتہی کی جارہی تھی، قاتلین سیاست وقتی پر چھائے ہوئے تھے، نسلی وخاندانی عصبیت کا عفریت کروٹیں بدلنے لگا تھا ام المومنین اصلاح حال کے جذبات صادقہ کے ساتھ اور محبت دینیہ کے تحت میدان میں آئیں

ان کے چشم تصور میں یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک رہا ہوگا جو قصاص عثمانؓ کی بیعت کے لئے اٹھا تھا اور آج بیس برس بعد وہ آپ کی بیعت قصاص پوری کرنے اور مجرموں کو سزا دینے کے لئے مکہ سے بائیس منزلوں کی دشوار گزار راہ طے کرتے ہوئے صحابہ و تابعین کی معیت میں بصرہ تشریف لے گئیں۔

ام المومنین اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کا یہ اقدام حالات اور واقعات کی رو سے بالکل صحیح اقدام تھا اور قاتلین و مجرمین سے انتقام لینے کی غرض سے تھا، حضرت علیؓ کی مخالفت کا کوئی شائبہ تک اس اقدام میں شامل نہ تھا کیونکہ ان کے جلو میں تین ہزار سواروں کے لشکر نے بصرہ کی جانب کوچ کیا تھا مدینہ کی جانب۔ حضرت علیؓ کا مادر مومنین کے مقابلہ میں آنا ہر اعتبار سے غلط تھا۔[1]

[1] حضرت علیؓ جب مدینہ سے چلنے لگے صحابہ نے سمجھایا کہ نہ جائیں مگر انہوں نے کہنا نہ مانا اور روانہ ہو گئے جب مقام ربذہ پر پہنچے ان کے بڑے صاحبزادے حسنؓ آکر ملے اور اپنے والد سے شکایت کرنے لگے کہ مدینہ سے کیوں نکلے اور کیوں ہر دفعہ میری بات نہیں مانتے، حضرت علیؓ نے پوچھا بتاؤ میں نے تمہاری کونسی بات نہیں مانی حسنؓ نے کہا جب عثمانؓ کا محاصرہ ہو رہا تھا میں نے کہا تھا کہ آپ مدینہ سے باہر چلے جائیں اور ان کے قتل کے وقت مدینہ میں موجود نہ رہیں پھر وہ قتل ہو گئے میں نے آپ سے کہا تھا کہ جب تک عرب کے وفود اور باہر شہروں کی بیعت نہ آجائے بیعت نہ لیں پھر ان لوگوں (یعنی ام المومنین عائشہؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ) کے اقدام کے وقت میں نے کہا کہ آپ گھر میں بیٹھے رہیں مگر آپ نے میری ایک بات بھی نہ مانی حضرت علیؓ نے جواب میں اپنی بیعت لینے کے بارے میں فرمایا، مجھے ڈر تھا کہ خلافت ضایع نہ ہو جائے۔ اہل حل و عقد مدینہ والے تھے نہ کہ سارے عرب اور تمام شہروں کے لوگ۔ رسول اللہ صلعم کا انتقال ہوا تو آپ کے بعد میں ہی خلافت کا سب سے زیادہ حق دار تھا لیکن لوگوں نے دوسروں کے ہاتھ پر بیعت کرلی میں نے ان پر کوئی جبر نہیں کیا، اب جو شخص مخالفت کرے گا میں اپنے فرمانبرداروں کے ساتھ اس سے لڑوں گا حتی کہ خدا فیصلہ فرمادے۔ (ابن خلدون ص۱۴۳ ملخصاً)

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے بیٹوں اور عزیزوں کے بارے میں یہ الفاظ کہیں نہیں ملتے کہ حضرت عثمانؓ کی محصوری کے زمانہ میں آپ لوگ مدینہ سے باہر چلے جائیں حضرت علیؓ ہی کے بارے میں ان کے صاحبزادوں اور چچیرے بھائی کے منہ سے ملتے ہیں جس سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ کی حضرت عثمانؓ سے مخالفت اس قدر نمایاں تھی کہ ان کے عزیز قریب ان کا مدینہ میں رہنا اس نازک وقت میں مناسب نہ سمجھتے تھے۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ قتل کی سازش میں شریک تھے کوئی ثبوت نہیں ہے۔

جو مفاد ملیہ کے سخت مضرت رساں ثابت ہوا، جمل و صفین وغیرہ کی خانہ جنگیوں میں تقریباً ایک لاکھ مسلمان کٹ مرے اور ان کے نتیجہ میں مفاسد کا جو باب وا ہوا آج تک بند نہ ہو سکا۔

ایک وضعی حدیث اور جھوٹی روایت

ام المومنین عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کو ان کے اقدام قصاص میں مطعون کرنے کی غرض سے بہت سی جھوٹی باتیں گھڑی گئی ہیں، ان میں یہ کذب بیانی سب سے زیادہ شرمناک ہے کہ بصرہ کے راستے میں جب ایک مقام الحوءب آیا وہاں کتے بھونکنے لگے ام المومنین نے فرمایا کہ مجھے واپس لوٹاؤ میں نے رسول اللہ صلعم کو اپنی ازواج سے یہ فرماتے سنا ہے کہ نہ معلوم تم میں وہ کون ہوگی جس پر الحوءب کے کتے بھونکیں گے۔[1]

ابن جریر طبری نے اس مکذوبہ روایت کا خاص باب قائم کیا ہے اور ابو مخنف کی اسناد ترک کرکے خود اپنی اسناد اس طرح لکھی ہیں کہ:۔

حدثنی اسمٰعیل بن موسی الفزاری قال اخبرنا علی بن عابس الازرق قال حدثنا ابو الخطاب الہجری عن صفوان بن قبیصۃ الاحمسی قال حدثنی العرنی صاحب الجمل (طبری ص۔ ج ۵) اب اس سلسلہ اسناد اور ان راویان پنج تن کی کیفیت و حالت ملاحظہ ہو:۔

(۱) پہلا راوی جس سے علامہ ابن جریر طبری یہ جھوٹی روایت کرتے ہیں اسمٰعیل بن موسی الفزاری ہے اس کے بارے میں امام ذہبیؒ میزان الاعتدال میں محدث ابن عدی کا یہ قول نقل کیا ہے

[1] شیعہ مصنفین نے تو ان جھوٹی باتوں پر اور بھی حاشیہ چڑھایا ہے۔ سر علی امام کے والد نواب امداد امام مولف مصباح الظلم نے "اسلام میں پہلی جھوٹی گواہی" کے عنوان سے خود حضرت عائشہ صلوٰۃ اللہ علیہا سے یہ قول منسوب کیا ہے کہ "رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ ایک زوجہ میری باغی ہوگی اور وہ حمیرا تو ہوگی" پھر لکھا ہے کہ: "حضرت زبیر اور حضرت طلحہ نے پچاس اہل عرب کو طمع دیکر حلف دلوادیا کہ وہ دریا آب حوأب نہیں ہے اس کے بعد وہ قافلہ حضرت عائشہ کا بصرہ کی طرف روانہ ہوا۔ جاننا چاہئے کہ اسلام میں یہ پہلی جھوٹی گواہی ہے" (ص۳۹۵) ابن ابی الحدید نے ابومخنف جیسے راوی کی روایت سے جس کو محدثین نے کذاب کہا ہے یہ لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے ام المومنین کے بصرہ جانے کو نکیری کہہ دیا تھا کہ یہ وہی ہے جس پر الحواب کے کتے بھونکیں گے وانہا التی تنبحہا کلاب الحواب (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید) اس طرح کے اور دوسرے شنیع الفاظ میں بدگوئی ان سے منسوب کی ہے۔

وہ غالی شیعہ تھا اور ایسا فاسق تھا کہ سلف پر سب وشتم کرتا تھا وہ کوفی تھا ۱۴۵ھ میں فوت ہو گیا تھا (میزان الاعتدال ص۲۱۱ ج ۱) اور ابن جریر طبرستان کے مقام آمل میں ۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے تھے یعنی اس غالی راوی کے مرنے سے کوئی اسی برس پہلے تو گویا یہ روایت اس نوعمری میں انہوں نے طبرستان سے کوفہ آکر اس فاسق سے اس وقت سنی تھی جب وہ دنیا سے کوچ کر رہا تھا اور بالفرض سنی بھی تھی تو اس سلسلہ کذب وافترا کے دوسرے راویوں کی حالت بھی ذرا دیکھئے :-

(۲) دوسرا راوی جس نے الفزاری جیسے غالی وفاسق سے روایت کی ہے علی بن عابس ہے۔ محدث نسائی اسے ضعیف بتاتے ہیں۔

(۳) تیسرے راوی کا نام ابو الخطاب الہجری بتایا گیا ہے، اس کو حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں مجہول کہا ہے۔

(۴) پھر اس تیسرے راوی کی روایت اپنی ہی طرح کے ایک اور مجہول راوی صفوان بن قبیصہ الاحمسی سے ہے (میزان الاعتدال ص۴۶۷ ج ۱)

(۵) مندرجہ بالا دو نوں مجہولوں کا سلسلہ اسناد عرینہ قبیلے کے کسی نامعلوم الاسم اونٹ والے تک پہنچتا ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا اونٹ ام المومنین کی سواری کے لئے صحرا میں خرید اگیا تھا اور خریداری کے ساتھ یہ شرط بھی کی گئی تھی کہ رہبری کی خدمت بھی انجام دے اور راستہ کے ہر ہر مقام کا نام اور حال بھی بتاتا چلے۔

ام المومنین کے قافلہ اور اس کی روانگی کے مندرجہ ذیل حالات وواقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکایت تمام تر وضعی ہے، نہ اونٹ والے کا کوئی وجود تھا نہ اس کی رہبری کا۔

(۱) بصرے کے عامل حضرت عبد اللہ بن عامر ہی کی تجویز کے مطابق بصرہ جانا اور بصری بلوائیوں کو سزا دینا طے ہوا تھا۔ عامل موصوف نہ صرف راستہ کی منزلوں سے پوری طرح واقف تھے بلکہ اس راستہ میں انہوں نے اپنے زمانہ میں حاجیوں کی سہولت کے لئے حوض کنوئیں تعمیر کرائے تھے۔ مقام بستان ابن عامر جو آج تک موجود ہے ان سے منسوب ہے ان کی اور ان کے لوگوں کی موجودگی میں اونٹ والے کی رہبری ورہنمائی محض لغو ہے۔

(۲) ام المومنینؓ کی سواری کے لئے کوئی اونٹ نہ صحرا میں خرید اگیا تھا اور نہ مکہ میں ان کی سواری کے لئے حضرت یعلیٰ بن امیہؓ نے اپنا اونٹ پیش کیا تھا جو یمن سے ساتھ لائے تھے

وہ اس علاقہ کا بہترین اونٹ تھا جس کا نام عسکر تھا۔ اسی پر سوار ہو کر بصرہ تشریف لے گئی تھیں (معارف ابن قتیبہ ص۱۲۰) مورخین نے تصریحاً بیان کیا ہے کہ عہد عثمانی کے یہ عامل جب یمن سے مکہ کو چلے ہیں اپنا تمام مال ومتاع ساتھ لے گئے تھے ان کے ساتھ اونٹوں کی بھی کثیر تعداد تھی انہوں نے مجاہدین کے لئے سامان واسلحہ کا بھی اپنے پاس سے انتظام کیا تھا۔

(۳) مکہ سے بصرے تک کاروانی راستہ میں اکیس منزلیں پڑتی ہیں۔ قدیم مولف ابوالفرج قدامہ بن جعفر متوفی ۳۲۹ھ کی تالیف ’’کتاب الخراج وصنعۃ الکتابۃ‘‘ میں ممالک اسلامیہ کے تمام اہم ومرکزی مقامات کے راستوں اور منزلوں کے نام درج ہیں، مکہ سے بصرہ کی درمیانی منزلوں میں الحوءب کسی منزل کا نام نہیں ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ مقام قافلے کے اترنے کی کوئی منزل نہ تھی۔ اثنائے راہ کا کوئی چھوٹا سا مقام ہوگا۔

(۴) بالفرض الحوءب اس زمانہ میں قافلہ کی منزل بھی رہی ہو تو کتوں کے بھونکنے کی خصوصیت اسی منزل کی کیوں تھی۔ دوسری بیس منزلوں کے کتے کیا نہ بھونکے ہوں گے۔ اجنبیوں کو دیکھ کر کتے کہاں نہیں بھونکتے کیا حضرت علیؓ کے قافلہ پر نہ بھونکے ہوں گے پھر حضرت عائشہؓ کے قافلہ ہی کی یہ خصوصیت کیوں اور کس بنا پر؟

(۵) قبیلہ الفزارہ کی ایک عورت ام زمل سلمیٰ کی ایک حکایت بیان کی جاتی ہے جسے یاقوت حموی نے بھی کتاب معجم البلدان (ص۳۵۳ ج ۳) میں الحوءب کے تحت لکھا ہے کہ یہ عورت ایام فرقہ میں گرفتار ہو کر آئی اور لونڈی کی حیثیت سے حضرت عائشہؓ کو دیدی گئی انہوں نے اسے آزاد کر کے اپنے پاس رکھ لیا، پھر یہ اپنی قوم والوں کے پاس واپس چلی گئی اور مرتد ہو گئی جب حضرت سیف اللہ خالد بن ولیدؓ نے مرتدین کے لیڈر طلیحہ کے خلاف معرکہ آرائی کی تھی غطفان وہوازن واسد وطے قبیلوں کی کثیر جماعت اس عورت کے ساتھ ہو گئی تھی، یہ ایک اونٹ پر سوار تھی، مسلمانوں نے اس کو بھی گھیرے میں لے کر اس کے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں یہ مع اپنے ساتھیوں کے ہلاک ہو گئی تھی۔

اس حکایت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ الحوءب کے کتے بھونکنے کے بارے میں آنحضرت صلعم کا اشارہ اسی عورت کی جانب تھا۔ فکانوا یرون انھا التی عناھا النبی صلعم

(ص۳۵۳ ایضاً)

یہ ہے وہ مکذوبہ روایت جسے علامہ ابن جریر طبری نے اپنے دل کی بیماری تقیہ کے آلہ سے



چھپاکر خاص عنوان کے تحت حضرت علیؓ کے مقابلہ میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کو خطا کار ثابت کرنے کے لئے درج کر دیا پھر کیا تھا بعد کے ہر مورخ و مصنف نے درایت کی آنکھ پر پٹی باندھ کے نقل در نقل شروع کر دی۔ حالانکہ ان مجہول اور فاسق راویوں کی حالت و مجہولیت کتب اسماء الرجال سے بآسانی معلوم کی جاسکتی تھی اور ہرزہ گویوں کی شرمناک بدگوئی سے حرم رسول اللہؐ آپؐ کی محبوب زوجہ مطہرہ اور اہل بیت حقیقی کو بچایا جاسکتا تھا جنکی طہارت طینت و پاکیزگی پر خود کلام اللہ گواہ ہے اور جن کے لحاف میں ہونے کی حالت میں آنحضورؐ پر وحی آتی تھی۔ اس الحؤب کی وضعی روایت کے علاوہ بھی منافقین نے ام المومنینؓ کے اس مخلصانہ اقدام کی عظمت گھٹانے کے لئے اور بھی حربے استعمال کئے ہیں، کہا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج مطہرات سے فرما دیا تھا کہ بس اب یہ تمہارا آخری حج ہے۔ اس کے بعد سے تم اپنے گھروں میں ہی بیٹھی رہنا، انما ھذہٖ الحجۃ ثم الزمن ظھوٗ الحصر (مسند احمد حنبل) نیز وقرن فی بیوتکن کی بھی یہی تاویل کرتے ہیں کہ کسی ضرورت سے مکان سے باہر نہ نکلیں، لیکن آپ کی سب ازواج آخر ایام زندگی تک ادائے حج کے لئے مدینہ سے مکہ تشریف لیجاتیں اور ہر سال حج کرتی تھیں، ان کے اس عمل سے ہی وضعی حدیثوں اور تاویلات باطلہ کی تردید ہو جاتی ہے اس سال یعنی ۳۵ھ میں جیسا کہ کتب تاریخ میں بالتصریح مذکور ہے، یہ سب ازواج مطہرات حج کے لئے مکہ تشریف لے گئیں تھیں اور حضرت عثمانؓ کے شہید ہو جانے کے بعد وہیں ٹھیری رہی تھیں۔ ام المومنین عائشہؓ کا یہ اقدام قصاص خون عثمانؓ ایک روشن مثال اور عظیم کارنامہ ہے۔ تاریخ عالم کی بعض بلند پایہ خواتین کے اقدامات کی طرح کہ جب قوم و ملت پر کوئی نازک وقت آپڑا۔ ذاتی مصلحتوں کی بناء پر اصول سے انحراف کیا جانے لگا، اتحاد و یکجہتی کے بجائے سیاسی پارٹیاں بننے لگیں۔

مظلوم مقتولوں کی بیوہ اور یتیم اولاد کی فریاد رسی نہ کی گئی حق و انصاف کی خاطر خواتین میدان عمل میں آنے پر مجبور ہوئیں۔ حضرت عائشہؓ کا یہ مخلصانہ اقدام اصلاح بین الناس کے مقصد سے تھا، جیسا خود موصوفہ نے صحابی جلیل حضرت قعقاع التمیمی سے ان کے سوال کے جواب میں اس وقت فرمایا تھا جب وہ فریقین کے مابین افہام و تفہیم کی کوشش کر رہے تھے۔ سبائیوں کی سازش سے اس میں بالآخر کمزوری پڑ گئی مگر موصوفہ کا ضمیر ہمیشہ مطمئن رہا، منافقین نے اظہار تاسف کے جو کلمات ان سے منسوب کئے ہیں، وضعی حدیثوں و روایتوں کی طرح محض بے اصل ہیں۔

— (×) —

خطاء اجتہادی کس کی؟

خطاء اجتہادی کی انوکھی اصطلاح استنباط و استخراج مسائل میں تو کسی نہ کسی طرح کھپ جاتی ہے، ہمارے متقدمین نے اسے سیاسی جھگڑوں پر بھی منطبق کرنے کی کوشش کی ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے طالبان قصاص عثمانؓ ام المومنین عائشہؓ و حضرت طلحہؓ و زبیرؓ و حضرت معاویہؓ کو یہ مجتہد مخطی معذور" کہ کر ان کی معذوری" کی جو وجہ بتائی ہے اور اس کا نام "شبہ" رکھا ہے وہ یہ ہے:-

(۱) چونکہ اہل حل وعقد نے حضرت علیؓ کی بیعت خلافت نہیں کی تھی اس لئے وہ منتظم و قائم نہ ہو سکی اور نہ بلاد اسلامیہ میں ان کا حکم نافذ ہوا۔

(۲) باوجود قادر ہونے کے قصاص خون عثمانؓ نہ لیا بلکہ مانع آئے۔ اب لطف یہ ہے کہ ان ہی باتوں کو جو حقائق ہیں شاہ صاحب ہی نے اپنی کتاب میں خود بیان کیا ہے اور بار بار دہرایا ہے، مثلاً حصہ دوم میں بسلسلہ ختم مآثر حضرت ذی النورینؓ یہ نکتہ بیان کرتے ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی حدیثوں میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ "خلافت خاصہ بعد حضرت عثمانؓ منتظم نخواہد شد" فرماتے ہیں کہ یہ بات اسی طرح ظہور میں آئی جس طرح آپ نے پیش گوئی کی تھی کیونکہ حضرت مرتضیٰؓ باوجود فور اوصاف متمکن خلافت پر نہ ہوئے نہ ان کا حکم نافذ ہوا: "متمکن نشد در خلافت در اقطار ارض حکم او نافذ نگشت" (ص ۲۲۹ ج ۲) اب رہا قصاص نہ لینے کا معاملہ اس کے بارے میں طالبان قصاص کی ہمنوائی کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ "و حضرت مرتضیٰ نیز بخطائے اجتہادی محکوم بود" (ص ۲۷۹ ایضاً) ایسی حالت میں کیا یہ امر باعث استعجاب نہیں کہ شاہ صاحب ایک طرف تو طالبان قصاص کے موقف کی واضح الفاظ میں تائید بھی کرتے ہیں دوسری طرف انہیں "مجتہد مخطی معذور" بھی کہتے جاتے ہیں، شاید ان کے اس طرز عمل کا سبب یہ ہو کہ فضائل ومناقب کی وضعی روایتوں اور حدیثوں میں حضرت علیؓ کا پلہ سب سے بھاری ہے کثرت احادیث فضائل کی وجہ ہی وہ یہ بتلاتے ہیں کہ ایام علیؓ میں چونکہ اختلاف وقوع میں آیا ان کے ہمعصروں کے دل ان کی طرف سے پھر گئے "و خواطر اہل عصر از وے برگشت" (ص ۲۷۰ ج ۲) بقیہ صحابہ نے اس فتنہ کے دفعیہ کی کوشش کی اور ہر تیر کو جو ان کے ترکش میں تھا چھوڑ دیا اس بناء پر ان کے فضائل کی حدیثوں کا دائرہ وسیع تر ہوگیا "ازیں جہت دائرہ روایت احادیث فضائل او کشادہ تر شد" (ص ۲۷۰ ایضاً) مگر یہاں شاہ صاحب ہی کو تسامح ہوا وہ یہ غور نہ فرما سکے کہ یہ ترکش تو فی الحقیقت سبائی

راویوں کا تیار کردہ ہے صحابہ کے نام تو اپنی وضعی روایتوں کو معتبر بنانے کے لئے استعمال کئے ہیں اور اسی ترکش سے ام المومنین کی تنقیص کے تیر بھی چھوڑے گئے ہیں چنانچہ خود شاہ صاحب نے بھی ماء الحوءب کے کتے بھونکنے کی جھوٹی روایت کو قیس بن حازم[1] کی سند سے نقل کر دیا ہے اب اس موقع پر یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ شاہ صاحب نے یہ تصنیف کس زمانہ اور کن حالات میں کی تھی تاکہ ناظرین کو طرز و اسلوب کے بارے میں غلط فہمی نہ ہو۔

واقعات شاہد ہیں کہ کتاب ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ایسے پر آشوب زمانہ میں تصنیف کی گئی جب اسلامیان ہند کے سیاسی اقتدار کا شیرازہ بکھر چکا تھا، طوائف الملوکی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی، معاشرہ کی حالت زبون وسقیم تھی، بدعات و محدثات اور رسمیات کا نام مذہب رہ گیا تھا۔ شمالی ہند کے ایک خطے میں شیعہ سلطنت کی بنیاد پڑ چکی تھی اور خود مرکزی مقام دہلی میں با اقتدار وبا اختیار حکام شیعہ مسلک کے پیرو تھے جن کی سرپرستی میں ان عقائد و رسوم کی خوب تشہیر و اشاعت ہو رہی تھی، چنانچہ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "درین زمان بدعت تشیع اشکار شد و نفوس عوام بشبہات الشیان متشرب گشت" (ص ۱ ج ۱) ایسے پر خطر اور نازک حالات میں انہوں نے اپنی عالی ہمتی سے اثبات خلافت خلفائے راشدین میں یہ نادر کتاب دو حصوں میں تالیف کی جن کا مجموعی حجم بڑی تقطیع کے چھ سو تیئیس[2] صفحات ہے ان میں سے پانچ سو اسی یعنی تقریباً

---

[1] قیس مذکور کی ولادت ابی خادم تھی ۹۸ھ میں فوت ہوئے سو برس سے زیادہ عمر پائی آخر میں ہوش وحواس بھی جاتے رہے تھے۔ بعض نے ان کو ثقہ بتایا ہے اور یحییٰ بن سعید نے منکر الحدیث اس کی مثالیں بھی دی ہیں (میزان الاعتدال ص ۳۴۸ ج ۲)

[2] معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے کتاب کے چند ہی نسخے تیار کرائے تھے اور بقول مولوی محمد احسن صدیقی جنہوں نے ۱۲۸۶ھ میں کتاب کو پہلی مرتبہ طبع کرایا کتاب کا آخری حصہ نامکمل رہا اور مصنف علیہ الرحمہ نے مسودہ پر نظر ثانی بھی نہیں کی۔ اسی نوے برس بعد جب تلاش کی گئی تھی صرف تین نسخے بڑی جستجو سے دستیاب ہوتے۔ آج ہم اس پر خطر حالات کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے جس کا مصنف کو سامنا کرنا پڑا تھا حتیٰ کہ ان کے صاحبزادے شاہ عبد العزیزؒ نے اپنی کتاب تحفہ میں لکھا ہے کہ "ازالۃ الخفاء ایک بزرگ کی ہے جو شہر کہنہ (دہلی) میں ساکن تھے اور فقیر بارہا ان کی زیارت سے مشرف ہوا اور ان سے استفادہ کیا"۔ ان کے زمانہ تک بھی حالات ایسے ناساعد تھے کہ اپنے والد ماجد کے نام کا اظہار نہیں کیا توریہ سے کام لیا ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

چودالنسے فیصد خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ ذی النورین کی روشن ترین و عظیم خدمات دینیہ وملیہ اسلام کی کامیاب خلافتوں کے حالات و اثبات میں ہیں۔ ان تینوں خلافتوں کو وہ خلافت خاصہ وراشدہ و منہاج النبوۃ سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ ان مبارک ایام میں امت مسلمہ ایتلاف ملی واخوت واتحاد کی برکات سے متمتع رہی ان پانسو اسی صفحات کے بعد کتاب کے آخری صرف تینتیس۳۳ صفحوں میں جن کا اوسط خلفائے ثلاثہ کے حالات کے مقابلہ میں محض چھ فیصد آتا ہے حضرت علیؓ کے یہ مآثر بیان کئے ہیں ان کے ایام میں دین و ملت کا کوئی تعمیری کام نہ ہوا اور بجائے آیہ مبارکہ لِیُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ یہودیت ونصرانیت ومجوسیت پر غلبہ پانے کے لئے جہاد تک نہ ہو سکا، طلب خلافت کے لئے خونریز لڑائیاں ہوتی رہیں۔ شاہ صاحب ہی فرماتے ہیں کہ "مقالات وے (علی) رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بود نہ بجہت

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) زمانہ سے کچھ پیشتر سے اور مابعد تک زمام حکومت علاً بیشتر ایسے افراد کے ہاتھوں میں تھی جو اصل ونسب اور مسلک کے اعتبار سے اسی ملک و دیار سے تعلق رکھتے تھے جہاں کچھ زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ اختلاف عقائد کی بناء پر بیشمار لوگوں کو تہ تیغ بیدریغ کیا گیا تھا حتیٰ علماء وفضلاء بھی محفوظ نہ رہے تھے۔ علامہ سعدالدین تفتازانی کے پوتے شیخ الاسلام فرید الدین احمد اور میر حسین کو بھی جن کا حاشیہ ہدایہ پر مشہور ہے نہ چھوڑا تھا برد فیسر براؤن نے قزوین کے ایک شاعر حیرتی کی نظم تاریخ ادبیات ایران میں نقل کی ہے جس میں بادشاہ کو مخالف فرقے کے قتل عام کی ترغیب دی گئی تھی ان میں سے صرف تین شعر سنئے:

ہست کارے دست بستہ اے شہ عالی تبار	؎	در زمان تو ہمہ دست بستن در نماز
مفتی این شہر فرزند سعیدؓ نابکار	؎	قاضی این ملک نسل خالد بن ولید
خاصہ از بہر رضائے حضرت پروردگار	؎	قتل عامی گر نباشد قتل خاصی میتوان

شاہ ولی اللہؒ نے بزرگوں کے آنکھوں دیکھے حالات سنے تھے اور خود اپنی آنکھوں سے چیرہ دستیوں کے حالات دیکھ رہے تھے طرز بیان میں بڑی احتیاط برتی ہے پھر بھی محفوظ نہ رہے ان کے دونوں ہاتھ پہنچے پر سے اکھڑوا دیے گئے۔ مرزا مظہر جان جاناںؒ کو توسع تحسین کرنے پر گولی ماردی گئی تھی۔ شاہ عبدالعزیزؒ کو دو مرتبہ زہر دیا گیا کچھ دنوں کے لئے انہیں دہلی بھی چھوڑنا پڑی ان حالات میں ان حضرات نے فضائل علیؓ کی وضعی روایتوں کی اپنی تالیفات میں بھرمار کردی تو جائے تعجب نہیں مگر موجودہ زمانہ اس ملک میں جس کا ذکر ہوا اختلاف عقائد کے باوجود سب امن چین سے ہیں۔

لہ حضرت سعید بن حضرت عثمان ذی النورینؓ

اسلام (ص۲۶۶ ج۲) ایسی صورت میں خانہ جنگیوں کے اندوہناک حالات بیان کرنے کے بجائے انہوں نے ان تینتیس صفحات کو حضرت علیؓ کے فضائل ومناقب کی وضعی حدیثوں اور روایات ہی سے پر کردینا تلافی مافات متصور کیا۔ مشتے نمونہ از خروارے ایک جعلی روایت سنئے جس کو جلی عنوان کے ساتھ متعدد طرق روایت سے شاہ صاحب نے اس اہتمام سے بیان کیا ہے کہ فلسکیپ سائز کا ڈیڑھ صفحہ بھر دیا ہے عنوان ہے "آفتاب کے غروب ہوجانے کے بعد اس کے لوٹ آنے کا معجزہ" کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی نماز عصر فوت ہوگئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔ آفتاب غروب ہوجانے کے بعد لوٹ آیا، دھوپ سارے میں پھیل گئی حضرت علیؓ نے وضو کرکے جب نماز پڑھ لی آفتاب پھر غروب ہوگیا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ روایت میں نے مدینہ منورہ میں اپنے استاد شیخ ابراہیم بن الحسن الکردی سے

لہ شاہ صاحب نے اس روایت کا وہ جزو یا تو عمداً حذف کردیا یا انہیں یہ نہ بتایا گیا کہ جب آفتاب لوٹ آیا تو ایک فرقے کے لٹریچر بلکہ ترجمہ قرآن میں روایت کا اہم جزو یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ نے اس کو سلام کیا اور آفتاب نے سلام کے جواب میں جو کلمات کہے وہ اور بھی عجیب ہیں، یعنی آفتاب نے علیؓ سے کہا کہ تم ہی اول ہو (یعنی اسلام لانے میں اول) تم ہی آخر ہو (یعنی نبی آخر الزمان کے وصی ہو) وغیرہم چنین یعنی کا شاعر غالی نے جس کی وہ جعلی رباعی شاہ است حسینؓ و بادشاہ است حسینؓ مشہور ہے جو محض کذب وافترا ہے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے کچھ عرصہ سے منسوب کی جاری ہے چند شعر کا قطعہ کہا ہے جس میں ایسی ہی کچھ باتیں ہیں جو آفتاب کی زبانی کہلوائی گئی ہیں چند جعلی شعر اس کے سنئے:

تامورت پیوند جہاں بود علی بود	؎	تا نقش زمین بود زمان بود علی بود
ہم اول وہم آخر وہم ظاہر وہم باطن	؎	ہم عابد وہم معبد وہم معبود علی بود
عیسیٰ بوجود آمد وفی الحال سخن گفت	؎	آن نطق فصاحت کہ بدو بود علی بود
موسیٰ وعصا ویدبیضا ونبوت	؎	در مصر بہ فرعون کہ بنمود علی بود
ہارون ولایت کہ پس از موسیٰ عمران	؎	واللہ کہ علی بود علی بود علی بود
جبریل کہ آمد ز بر خالق بیچون	؎	در پیش محمدؐ شد و مقصود علی بود
ہر چند کہ نظر کردم و دیدم بحقیقت	؎	از ہر دو جہاں مقصد و مقصود علی بود

۲۳۴ھ میں سماعت کی تھی، پھر اپنے شیخ سے لے کر ستر راویوں کا نام بنام تعارف کراتے ہوئے حضرت علیؓ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ پر اس کو منتہی کیا ہے اور اس طرح ہے عن فاطمۃ بنت الحسین عن اسماء بنت عمیس، یعنی پہلی راویہ اسماء بنت عمیس زوجہ علیؓ ہیں انہوں نے اپنی پوتی فاطمہ بنت الحسینؓ سے یہ روایت بیان کی اور فاطمہ نے اپنے چچیرے بھائی عبداللہ بن حسن وابراہیم بن حسن سے اور ان حضرات نے دوسروں سے نفس مضمون کی غرابت سے قطع نظر شاہ صاحب اگر پہلی اور دوسری راویہ خواتین کے سنہ وفات وسنہ ولادت کو ہی پیش نظر رکھتے، بآسانی معلوم ہو جاتا کہ یہ دونوں ہم زمانہ نہیں تھیں یعنی پہلی راویہ اسماء کی وفات ۴۰ھ میں ہوگئی تھی (خلاصہ تہذیب ص۴۸۳) ان کے مرنے کے دس گیارہ برس بعد ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں دوسری راویہ خاتون فاطمہ بنت الحسین عالم وجود میں آئیںؒ تو جس دوسری راویہ کی ولادت ہی پہلی راویہ کے مرنے سے دس گیارہ برس بعد ہوئی ہو اس کا نام سلسلہ راویان میں لینا ظاہر ہے کہ محض لغو اور جہل ہے۔ شاہ صاحب نے اپنے شیخ سے سماعت کر کے اسے باور کر لیا ورنہ ان کے مختلف طرق اسناد میں متعدد راوی شیعہ و ناقابل اعتبار ہیں مثلاً فضیل بن مرزوق جس کو امام ذہبی میزان الاعتدال میں: "کان معروفاً بالتشیع" لکھتے ہیں کہ وہ مشہور شیعہ تھا، نسائی وعثمان بن سعید نے اسے ضعیف کہا ہے (ص۲۳۵ ج) یا ابراہیم بن حبان جس کے بارے میں ابن عدی فرماتے ہیں کہ وہ موضوع حدیثیں بیان کیا کرتا تھا۔ اسی طرح کے اور راوی ہیں اس سے واضح ہوتا ہے کہ کن حالات میں وضعی احادیث کو شامل کتاب کیا گیا خود شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

جب فتنہ تشیع نے سر نکالا اور بیباک لوگوں نے حد اعتدال سے باہر قدم رکھے اور اپنی بدعت کی ترویج واشاعت کے لئے احادیث وضع کیں ہم تو ان موضوع احادیث سے تحاشی کرتے ہیں بایں ہمہ ان کی نقل کردہ بیشتر حدیثیں یقیناً سبائی ٹکسال کی گھڑی ہوئی ہیں جن میں سے دو ایک کا بطور نمونہ ذکر کر دینا کافی ہے، مثلاً حضرت فاطمہؓ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ سے ان کی شادی ہوگی انہوں نے فرمایا تھا یا رسول اللہ زوجتنی من علی بن ابی طالب وھو فقیر لامال لہ۔ یا رسول اللہ آپ مجھے علی بن ابی طالب سے بیاہتے ہیں وہ تو فقیر ہیں ان کے

---

[1] حضرت حسینؓ کی یہ صاحبزادی فاطمہ ام اسحٰق بنت طلحہؓ کے بطن سے تھیں جو حضرت حسنؓ کی زوجہ تھیں ۴۹ھ میں جب حسنؓ فوت ہو گئے تو حضرت حسینؓ نے اپنی بیوہ بھاوج سے نکاح کر لیا تھا۔

پاس کوئی مال نہیں ہے") اس پر یہ جواب آنحضور سے منسوب کیا گیا ہے کہ اے فاطمہ کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ارض میں دو شخصوں کو منتخب کیا ہے ایک ان میں کا تمہارا باپ ہے اور دوسرا تمہارا شوہر (ص۲۶۲ ج) یا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اوحیٰ الیٰ فی علی ثلث انہ سید المومنین و امام المتقین وقائد الغر المحجلین (یعنی اللہ تعالیٰ نے علی کے بارے میں تین باتوں کی مجھ پر وحی نازل کی کہ وہ سید المومنین ہیں امام المتقین ہیں اور قائد الغر المحجلین ہیں، غرضیکہ اس قسم کی موضوع احادیث کا حضرت علیؓ کے مآثر میں نقل کر دینا یا تو مصلحت وقتی کے اعتبار سے تھا جس کا اشارہ اوپر گزر چکا یا شاہ صاحب نے بلا تنقید نقل کر دیا اور صحیح باور کیا۔

بہرکیف جو شخصیت شاہ صاحب کے نزدیک اتنی بلند و بالا ہو کہ آفتاب عالمتاب بھی ایک وقت کی نماز ان کی قضا ہونے ہوئے غروب ہو جانے کے بعد لوٹ آئے تاکہ وہ نماز ادا کر لیں۔ ان کے سیاسی حریف خواہ ام المومنینؓ ہی کیوں نہ ہوں ضرور مجتہد مخطی معذور قرار پائیں گی اور ایسے ہی حضرت معاویہؓ حالانکہ جیسا واضح کیا جا چکا قصاص خون عثمانؓ کے معاملہ میں ام المومنینؓ اور حضرت معاویہؓ کا موقف ہر اعتبار سے صحیح تھا اور حضرت علیؓ کا صحیح نہ تھا۔ اپنی خلافت کی مصلحتوں پر مبنی تھا، خلافت معاویہؓ ویزیدؒ میں اس بات سے قطع نظر کہ فریقین میں کون صواب پر تھا اور کون خطا پر محض حقیقت حال کا اظہار کیا گیا تھا، سخن ناشناسوں نے واویلا مچا دیا کہ پوری عبارت نقل نہیں ہوتی۔ حالانکہ جیسا تفصیلاً بیان ہوا شاہ صاحب نے خود ہی بار بار اس بات کا اعادہ کیا ہے جو منقولہ عبارت میں بیان کی گئی ہے یعنی اہل حل وعقد نے چونکہ اپنے اجتہاد اور مسلمانوں کی نصیحت کی غرض سے حضرت علیؓ سے بیعت خلافت نہیں کی تھی ان کی خلافت نہ منتظم ہوئی نہ پوری طرح قائم ہوئی، نہ ان کا حکم بلاد اسلامیہ میں نافذ ہوا اور نہ انہوں نے خون عثمانؓ کا باوجود وعدوں کے قصاص لیا۔ واقعات مابعد خود شاہد ہیں کہ خطاء اجتہادی کس پر چسپاں ہوتی ہے۔

غلطیوں کے نتائج

جمل کی اندوہناک برادر کشی میں مجروحین کا تو کوئی حد شمار نہیں، مقتولین کی تعداد البتہ مورخین نے تیرہ ہزار بیان کی ہیں، پانچ ہزار حضرت علیؓ کے لشکر کی اور سات ہزار طالبان قصاص کی۔ یہ لڑائی تو جیسا سب ہی مورخین نے بیان کیا ہے سبائیوں کی سازش سے یکایک ہو پڑی تھی حضرت علیؓ نے بصرہ کی جانب چلتے وقت اپنے لشکر میں یہ اعلان تو کرا دیا کہ جس کسی نے عثمانؓ کے بارے میں کچھ کیا ہو وہ

ہمارے ساتھ نہ چلے، مگر سبائی کب ماننے والے تھے۔ عبداللہ بن سبا بذات خود لشکر کے ساتھ تھا۔ اسی نے سب خون کا پلان بنایا تھا۔ حضرت علیؓ ان لوگوں کو سختی سے روک دیتے تو نہ سازش ہوتی اور نہ خونریزی۔ مقتولین کی لاشیں میدان میں بکھری پڑی تھیں اس دردناک منظر کو دیکھ کر حضرت علیؓ بہت متاثر تھے۔ اپنے صاحبزادے حسنؓ کو جو انہیں بار بار منع کرتے رہے کہ ادھر کا رخ نہ کریں سینے سے لپٹالیا اور فرمانے لگے کاش میں آج سے بیس برس پہلے مرگیا ہوتا۔ طبعاً نیک دل تھے حضرت طلحہؓ کی لاش کے پاس بیٹھ گئے، ان کے چہرے سے گرد پونچھتے جاتے اور کہتے جاتے کہ جو بیتا مجھ پر پڑی ہے اللہ ہی سے اس کا شکوہ کرتا ہوں، پھر وہی قول دہرایا کاش میں آج سے بیس برس پہلے مرجاتا (البدایہ والنہایہ ص۲۴۵ ج۷) حضرت عائشہؓ مکہ جانے لگیں ان کے سفر کے تمام انتظامات کئے چالیس عورتوں اور سپاہیوں کو ساتھ کیا، خود بھی دو میل تک مشایعت کی اور اپنے بیٹوں کو ایک دن کی مسافت پر ان کے ساتھ بھیجا، حضرت عائشہؓ نے چلتے وقت لوگوں کو نصیحت کی اور فرمایا:۔

میرے بیٹو! دیکھو اب تم میں کوئی کسی کے ساتھ سختی نہ کرے علی میں اور مجھ میں پہلے سے کوئی بات مطلق نہ تھی سوائے معمولی بات کے جو سسرال والوں سے ہوجاتی ہے، حضرت علیؓ نے ام المومنین کے اس قول کی تصدیق کی اور کہا قسم بخدا یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں دنیا اور آخرت دونوں میں بایں ہمہ وہ اگر ام المومنینؓ کے ساتھ یا ان کے بعد ہی واپس ہوجاتے کوفہ جانے کے بجائے مکہ یا مدینہ چلے جاتے۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے مقتول ہوجانے اور ام المومنین کی جوابانت سبائیوں کے ہاتھوں ہوئی تھی اس کے نتائج کو پیش نظر رکھتے اور حضرت عثمانؓ کے مظلومانہ قتل سے غیظ و غضب کی لہریں جو امت میں ہر چہار طرف اٹھ رہی تھیں ان کے اعتبار سے ام المومنینؓ کے زبردست اثرات کو کام میں لاکر بگڑی حالت کو سنبھال لینے کی کوشش کرتے نہ جنگ صفین ہوتی نہ خوارج کی جماعت بنتی نہ ثالثی کی ضرورت پیش آتی نہ ان کی پوزیشن کو نقصان پہنچتا اور نہ وہ صورت حال پیش آتی جس کو ابن ابی الحدید نے اپنے شیخ ابوجعفر الاسکافی کے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:۔

کان اهل البصرة کلهم یبغضونه	کل اہل بصرہؓ (حضرت علیؓ سے) متنفر تھے اور
وکثیرة من اهل الکوفة وکثیر من	کوفہ اور مدینہ کے اکثر لوگ اور مکہ کے تو سبھی
اهل المدینة واما مکة کانوا یبغضونه	لوگ ان سے متنفر تھے اور سب قریش ان کے

¹ شرح نہج البلاغہ کے مصنف نے متعدد خطبات حضرت علیؓ سے اہل بصرہ کی مذمت کے منسوب کئے ہیں۔

قاطبة وکانت قریش کلها علی خلافه	خلاف تھے اور جمہور خلق ان کے مخالف بنی امیہ
وکان جمهور الخلق مع بنی امیة	کے ساتھ تھی عبدالملک بن عمیر نے عبدالرحمن
علیه وروی عبد الملك بن عمیر عن	بن ابی بکرہ کا قول بیان کیا ہے کہ میں نے
عبد الرحمن بن ابی بکرة قال سمعت	(حضرت) علیؓ کو یہ فرماتے سنا کہ انسانوں
علیاء وهو یقول مالقی احد من الناس	میں سے کسی ایک کو بھی وہ برائی پیش نہیں آئی
مالقیت ثم بکا۔	جو مجھے آئی ہے پھر (یہ کہہ کر) رونے لگے۔

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید)

یہ افسوسناک صورت حال کیوں پیش آئی اس کے جواب میں بہت سی باتیں کہی گئی ہیں کچھ صحیح ہیں کچھ غلط مگر اصل سبب یہی تھا کہ ناقابل اعتبار سبائی لیڈروں کو منہ لگایا ان پر اعتماد کیا جو اعتماد کے لائق نہ تھے اور اس تدبر و فراست و مستقل مزاجی اور آمرانہ سطوت سے کام نہ لیا جو ایک قائد و حکمران میں ہونا ضروری ہیں۔ ان کے لشکری بار بار عدول حکمی کرتے، جنگ پر چلنے کو کہتے وہ طرح طرح کے حیلے بہانے اور عذر کرتے، مختلف کتب میں ان کی تقریروں کے فقرات ملتے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے لشکریوں اور ساتھیوں سے وہ آخر میں سخت نالاں تھے اور سخت الفاظ میں ان کی مذمت کرتے تھے، ان کے ایک خطبے کے یہ فقرات مولف اغانی نے بھی نقل کئے ہیں جو شیعہ مسلک کا تھا اور دوسروں نے بھی، اپنے لشکریوں کو مخاطب کرکے فرمایا تھا:۔

یا اشباه الرجال ولا رجال ویا	اے نامرد صورت مردان! اور اے کمینو زنانہ عقل
طغام الاحلام وعقول ربات الحجال	والو! میری آرزو کاش میں تمہیں نہ جانتا نہ پہچانتا
وددت انی لم ارکم ولم اعرفکم بل وددت	اور اے کاش میں تمہیں کبھی دیکھا بھی نہ ہوتا، مجھے
انی لم ارکم معرفة واللہ جرعت ندما	انتہائی ندامت ہے اور دل میں تم سے انتہائی غصہ
وملاء تم جوفی غیظا بالعصیان والخذلان	تم میرے نافرمان اور میرے رسوا کرنے والے ہو،
حتی لقد قال قریش ابن ابی طالب	تمہاری وجہ سے قریش کہنے لگے ہیں کہ ابی طالب کا
رجل شجاع ولکن لا علم له بالحرب	بیٹا بہادر تو ہے مگر سیاست حرب سے نابلد محض
ویحیم وهل فیهم اشد مراسا لها	ہے افسوس ان کہنے والوں پر، مجھ سے زیادہ ان
منی واللہ لقد دخلت فیها وانا ابن	میں لڑائی کا آدمی کون ہوگا، میں نے بیس برس کی عمر
عشرین وها انا الآن قد نیفت علی الستین	اب تک کہ ساٹھ کے لگ بھگ ہوگیا ہوں تیغ زنی کی
ولا کن لا رای لمن لا یطاع (الاغانی ص۱۵۲ ج۱۵)	ہے مگر کوئی کمبخت جب کہنا ہی نہ مانے تو میں کیا

طالبان قصاص کو بظاہر ناکامی و شکست ہوئی مگر ان کی یہی شکست نتیجہ میں بالآخر فریق ثانی کی سیاسی شکست اور ناکامی کا موجب بن گئی اور طالبان قصاص بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب رہے، تمام قاتلین عثمانؓ کیفر کردار کو پہنچے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

حضرت معاویہؓ اور تکمیل قصاص

حضرت علیؓ کو ایک خط میں حضرت معاویہؓ نے تحریر کیا تھا کہ یا تو قاتلین عثمانؓ سے خود قصاص لو یا انہیں ہمارے حوالے کرو کہ ہم قصاص لیں، ایسا ہوا تو ہم سے زیادہ کوئی تمہاری بیعت میں سبقت نہ کرے گا، ورنہ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے لئے ہمارے پاس تلوار ہے، اسی کے ساتھ لکھا تھا۔

فو اللہ الذی لا الہ غیرہ لنطلبن قتلة عثمان فی البر والبحر حتی نقتلھم۔

پس قسم بخدا جس کے سوائے کوئی اور نہیں ہم قاتلین عثمانؓ کو خشکی و تری ہر جگہ تلاش کریں گے حتی کہ انہیں (قصاصاً) قتل کریں۔

اپنے اس ارادے کو انہوں نے کس کس طرح پورا کیا، اس کی تفصیلات اوراق تاریخ میں جابجا ملتی ہیں۔ مالک الاشتر و محمد بن ابی بکرؓ وغیرہ کو حضرت علیؓ کے ایام میں قصاصاً قتل کرایا، پھر اپنے ایام میں دوسرے مجرمین کو جو ملک کے مختلف گوشوں میں پوشیدہ ہو گئے تھے تلاش کرا کے گرفتار کیا، قید خانہ میں رکھا بعض مجرمین قید خانہ سے فرار ہو جاتے ان کی تلاش ہوتی پکڑے جاتے اس لئے انہوں نے حمص کے قریب الجلیل پہاڑ پر ایک مضبوط قید خانہ بنوایا جس میں یہ قاتلین عثمانؓ اس وقت تک محبوس رہتے جب تک تحقیقات سے جرم ثابت ہو کر سزا یاب نہ ہوتے یاقوت حموی نے اس قید خانہ کا تذکرہ کیا ہے اور جبل الجلیل کے تحت لکھا ہے:

کان معاویة یحبس فی موضع منه من یظفر ممن یتہم بقتل عثمان بن عفان۔

معاویہؓ (اس پہاڑ کے) ایک مقام پر ان اشخاص کو قید رکھتے جن پر وہ قابو پا لیتے اور قتل عثمان بن عفانؓ میں متہم ہوتے۔

(کتاب معجم البلدان ص۱۱ ج۲)

علامہ ابن حزمؒ نے ابو شہر بن ابرہہ و عبدالرحمٰن بن عبداللہ و محمد بن حذیفہ و کنانہ بن بشر تجیبی کا ذکر کیا ہے جن کو حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں گرفتار کرایا تھا۔

سجنھم فھربوا من السجن فادرکوا

(معاویہؓ نے) ان کو قید خانہ میں ڈلوا دیا، وہ

فقتلھم معاویة کلھم۔
(جمہرہ ص۵۰۸)

قید خانہ سے فرار ہو گئے ان کو پھر پکڑ والیا اور ان سب کو (قتل عثمانؓ کے قصاص میں) معاویہؓ نے قتل کرا دیا۔

اسی پہاڑی مقام پر جہاں قید خانہ بنوایا تھا عبدالرحمٰن بن عُدیس البلوی نے جب اپنے جرم قتل عثمانؓ کا اعتراف کیا تھا قتل کرایا گیا تھا۔ (کتاب معجم البلدان ایضاً)

ام المومنین حضرت عائشہؓ کے اقدام طلب قصاص میں جو رکاوٹ پیدا کی گئی تھی جس کی وجہ سے پورا نہ ہو سکا تھا حضرت معاویہؓ نے اس ادھورے کام کی تکمیل کی وہ ان کی اس خدمت سے اور ان کی سیاسی پالیسی سے مطمئن رہیں۔ حضرت معاویہؓ کے ایام خلافت میں ام المومنین موصوفہ سترہ اٹھارہ برس تک حیات رہیں تحائف کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ سالانہ ان کی خدمت میں حضرت معاویہؓ پیش کرتے رہتے جب خود حاضر خدمت ہوتے ام المومنین سے ضروری امور میں مشورہ کرتے اور اس پر کاربند ہوتے۔

امیر یزیدؒ کی ولیعہدی

امیر یزیدؒ کے زمانہ ولیعہدی میں ام المومنین تقریباً چھ سات برس حیات رہیں، کتاب خلافت معاویہؓ و یزیدؒ میں تفصیلاً ذکر ہو چکا ہے کہ مملکت اسلامیہ کے ہر ہر صوبہ میں اور صوبہ کے ہر ہر مقام پر لوگوں نے بلا جبر و اکراہ بیعت کی تھی ۵۶ھ میں جب حضرت معاویہؓ حجاز آئے انہوں نے بھرے مجمع میں اہل مدینہ کو بتایا تھا کہ تمامی دیار و امصار میں لوگوں نے یہ بیعت کر لی ہے۔ الامامة والسیاسة کے غالی مولف نے بھی ان کا یہ قول نقل کیا ہے:

یا اھل المدینة! لقد ھممت ببیعة یزید وما ترکت قریة ولا مدرة الا بعثت الیھا فی بیعته فبایع الناس جمیعًا و سلموا۔
(ص۱۹۸ ج۱)

اے اہل مدینہ! میں نے جب یزید کی بیعت (ولیعہدی) کا قصد و ارادہ پختہ کر لیا تو کسی قریہ اور جھونپڑی کو بھی نہ چھوڑا، جہاں بیعت کے لئے نہ وفد بھیجا ہو، چنانچہ سب ہی لوگوں نے بیعت کر لی ہے۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اس سے قبل ۵۱ھ میں حضرت معاویہؓ نے بیعت یزیدؒ کے بارے میں ام المومنین سے مشورہ کیا تھا اور اب ۵۶ھ میں حاضر ہو کر تفصیلی رپورٹ پیش کی اور بتایا کہ تمام صوبوں کے لوگوں نے متفقہ طور سے بیعت کر لی ہے، ام المومنین نے اظہار

پسندیدگی فرماتے ہوئے مشورہ دیا کہ اب اگر کوئی یہاں اختلاف کرے تم تعجیل سے کام نہ لینا (ص ۱۹۵ ایضاً) منافقین و کذابین نے ام المومنین کی مخالفت کی جو شہرت دی ہے اور کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے انہیں (معاذ اللہ) کنویں میں گروا کر ہلاک کرا دیا تھا بڑی شرمناک اور بھونڈی کذب بیانی ہے۔ ام المومنین کے پیش نظر تو یہ تمام حالات تھے کہ حضرت علیؓ کی ناکام سیاست کے نتیجے میں اہل حجاز کا سیاسیات ملی میں وہ مقام و درجہ باقی نہ رہا تھا جو پہلے تین خلفائے راشدین کے زمانہ میں تھا، اور نہ خلافت ہی کی وہ پہلی سی سادہ ہیولائی کیفیت باقی رہی تھی۔ بمقتضائے زمانہ اب وہ باضابطہ اسٹیٹ تھی جس کے مختلف النوع مسائل اور گوناگوں انتظامات کا اہل مدینہ میں سے کسی کو نہ کوئی عملی تجربہ تھا اور نہ واقفیت۔ الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مولف وغیرہ نے حضرت معاویہؓ کا وہ قول نقل کیا ہے جو کہا جاتا ہے انہوں نے حضرت حسینؓ کی اس بات کے جواب میں کہ میں یزید سے بہتر ہوں کہا تھا کہ فیزید واللہ خیر لامۃ محمد منک لیکن واللہ یزید امت محمدؐ کے (انتظامی امور میں) تم سے بہتر ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ سالہا سال سے امیر یزیدؒ کو رومی عیسائیوں کے خلاف پانچ چھ مرتبہ جہادوں میں آزمایا جا چکا تھا بلکہ حکومت کے مختلف صیغوں کے انتظامی معاملات میں بھی ام المومنین نے ان حالات میں اور اس خطرہ کے پیش نظر کہ حصول خلافت میں پھر خونریزی کی نوبت نہ آئے جس کا تلخ تجربہ امت کو ہو چکا تھا، امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کے بارے میں حضرت معاویہؓ کی کارروائی کو پسند فرمایا۔

صحابہ کرام کا سیاسی موقف

صحابہ معصوم نہ تھے۔ سیاسی معاملات میں غلطیاں اور لغزشیں بھی ان سے ہوئیں اور جھگڑے وخانہ جنگیاں بھی مگر نیت سب کی بخیر تھی۔ اگر باہم ان کے بغض تھا تو بغض للہ، حب تھا تو حب للہ ہ

رہ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی ؎ فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ ان کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی ؎ شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی

شہادت عثمانؓ سے جو فتنہ پیدا ہوا بہت سے صحابہ الگ رہے، معدودے چند جو

مبتلا ہوئے ان کو عمر بھر اس کا افسوس اور ملال رہا۔ یہ فتنہ تو سبائیہ کا پیدا کردہ تھا ذیل کے اعداد پیش نظر رکھنے سے اس اندوہناک صورت حال کا قدرے اندازہ ہو سکتا ہے۔ جس کا اس جماعت کی دراندازیوں اور ریشہ دوانیوں کی بدولت امت کو سامنا کرنا پڑا تھا۔

نمبر شمار	تاریخ	واقعہ	تعداد مقتولین
۱ –	۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ	شہادت عثمانؓ	۰
۲ –	۲۵ " "	بیعت خلافت علیؓ	۰
۳ –	جمادی الآخر ۳۶ھ	جنگ جمل (بیعت علیؓ سے ۵ مہینے ۱۲ دن بعد)	۱۳۰۰۰
۴ –	صفر ۳۷ھ	جنگ صفین (جنگ جمل سے ۷ مہینے ۱۴ دن بعد)	۷۰۰۰۰
۵ –	۳۹ھ	" نہروان (جنگ صفین سے ۱ سال ۲ ماہ بعد)	۲۵۰۰
۶ –	رمضان ۴۰ھ	شہادت علیؓ	۸۵۵۰۰

پچاسی ہزار پانسو مسلمانوں کا ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ کر یوں فنا ہو جانا اندوہناک حادثہ اور المیہ تھا، اس کشت و خون سے مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں دشمنی کی جو آگ بھڑکی اور طوائف الملوکی کی حالت پیدا ہوئی قریب تھا کہ مسلمانوں کی سیاسی قوت اور وحدت ملی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے، اللہ کا فضل و کرم تھا اور صحابہ و تابعین کے خلوص و نیک نیتی کا ثمرہ، مسلمان پھر ایک مدبر اعظم کی قیادت کے تحت جماعت میں منسلک ہو گئے۔

حضرت معاویہؓ نے زمام خلافت اپنے مبارک ہاتھوں میں سنبھالی، امت نے اطمینان کا سانس لیا اس خوشی میں اس سال کا نام عام الجماعۃ رکھا یعنی امت کے اتحاد و اتفاق و ائتلاف ملی کا سال۔

حضرت حسینؓ البتہ اپنے بڑے بھائی کی صلح جویانہ پالیسی سے متفق نہ تھے جنگ جاری رکھنا چاہتے تھے مگر بڑے بھائی نے جب مجبور کیا اور ڈانٹ کر کہا اسکت فانا اعلم بالامر منک (طبری ص ۹۲ ج ۶) تم خاموش رہو میں تم سے زیادہ اس معاملہ کو جانتا سمجھتا ہوں، بلکہ بقول ڈاکٹر طٰہٰ حسین مولف کتاب علی و بنوہ (ص ۲۰۳) حضرت حسنؓ نے چھوٹے بھائی کو دھمکایا اور کہا کہ میری اطاعت نہ کی تو بیڑیاں پہنا دی جائیں گی انہوں نے بھی بیعت کر لی۔ کوفی مفسدین کو یہ تمام حالا

معلوم تھے، وہ برابر عذر غلاتے رہے۔ حضرت معاویہؓ کو جس وقت اطلاع ملی کہ یہ لوگ حضرت حسینؓ کے پاس زیادہ آجا رہے ہیں اور سیاسی انقلاب برپا کرنے پر آمادہ کر رہے ہیں انہیں خط لکھا جسے دوسرے مورخین کے علاوہ بلاذری نے بھی کتاب انساب الاشراف میں نقل کیا ہے اس میں انہیں لکھا تھا۔

"تمہارے بارے میں مجھے ایسی خبریں ملی ہیں جو اگر صحیح ہیں تو کچھ بعید نہیں کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ تم خلافت کے لئے جد وجہد کی خواہش ترک کر چکے ہو اگر یہ خبریں غلط ہیں تو تم بڑے ہی خوش نصیب ہو...... کوئی کام السیا نہ کرو کہ میں تم سے مودت ومحبت کے تعلقات توڑنے پر مجبور ہوں اور بد سلوکی سے پیش آؤں کیونکہ تم اگر کوئی غلط قدم اٹھاؤ گے تو میں بھی اٹھاؤں گا، اگر میرے ساتھ چال چلو گے تو میں بھی تمہارے ساتھ چال چلوں گا۔ حسین، خدا سے ڈرتے رہو مسلمانوں میں پھوٹ نہ ڈالو، ان کو خانہ جنگی کی طرف نہ دھکیلو۔"

کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ نے اس خط کا درشت لہجہ میں جواب دیا مگر حضرت معاویہؓ نے طرح دی اور اپنے مشفقانہ طرز عمل میں کوئی فرق نہ آنے دیا، حضرت حسینؓ کے سالانہ وظیفے اور تحائف میں کمی نہ کی، دس لاکھ درہم (تقریباً پانچ لاکھ روپیہ) ہر سال ان کو دیتے رہے۔ حضرت حسنؓ کا اسی زمانہ میں جب انتقال ہو گیا، کوفیوں نے حضرت حسینؓ کو خط بھیجا جسے مولف اخبار الطوال کے علاوہ دوسرے مورخین نے بھی نقل کیا ہے، اس میں انہیں طلب خلافت پر آمادہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔

فان تحب ان تطلب ھذا الامر فاقدم علینا فقد وطنا انفسنا علی الموت معک۔	پس آپ کو اگر اس امر (خلافت) کا حاصل کرنا محبوب ہے تو ہمارے پاس چلے آئیے ہم نے اپنی جانوں کو آپ کے جلو میں مرنے مارنے پر آمادہ و مائل کر رکھا ہے۔

(اخبار الطوال ص۲۳۵)

حضرت حسینؓ نے اس کے جواب میں کوفیوں کو لکھ بھیجا تھا کہ جب تک یہ معاویہ زندہ ہیں تم لوگ اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے رہو ہم نے ان کی بیعت کرلی ہے جسے توڑنے کا کوئی موقع نہیں ہاں اگر ان کی موت کا واقعہ پیش آگیا تو دیکھا جائے گا اس وقت اپنی رائے سے تمہیں مطلع کروں گا۔ مورخین نے متعدد واقعات لکھے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ضابطہ

حکومت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ من مانی کارروائی کر گزرتے تھے مثلاً ناسخ التواریخ کے شیعہ مورخ نے لکھا ہے کہ عامل یمن کا بھیجا ہوا مال خراج معاویہؓ کے پاس جا رہا تھا، مدینہ سے قافلہ گزرا تو "حسین بن علی علیہ السلام فرمان داد کہ اموال واثقال را ماخوذ داشتند واین جملہ را براہل بیت خود ودوستان خود بخش فرمود (ناسخ التواریخ جلد ششم از کتاب دوم ص۲)

حضرت معاویہؓ نے عفو وکرم سے کام لیا، ان کو لکھا کہ اگر یہ مال خراج تم میرے پاس آنے دیتے تو اس میں جو حصہ تمہارا ہوتا تو وہ تمہیں ملتا آئندہ الیسامت کرنا کیونکہ والی ہی کو حق ہے کہ وہ خراج وصول کرے اور تقسیم کرے۔ ایک اور واقعہ قدیم ترین مولف مصعب زبیری (۱۵۶ - ۲۳۶ھ) نے کتاب نسب قریش میں عاصم بن ابو ہاشم بن عتبہ اموی کے حال میں بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اہل مدینہ کے عطایا مختلف خاندانوں کے "عریف" یعنی مکھیا کے ذریعہ تقسیم کرنے کے لئے ان کو مدینہ بھیجا۔ عاصم نے اس بات کی تحقیق کرنی چاہی کہ وظیفہ پانے والوں میں کون زندہ ہے کون مر گیا ہے اور کون موجود نہیں۔ بعض لوگوں کو جو مرے ہوئے یا غائب اشخاص کے عطایا بھی وصول کر لیا کرتے تھے یہ تحقیقات ناگوار گزری۔ حضرت حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ نے جب عاصم سے دریافت حال کیا انہوں نے بتایا کہ امیر المومنین نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ مردہ اور غائب کے علاوہ جو زندہ اور موجود ہیں ان کو دوں ان حضرات نے پوچھا خواتین کے وظائف کے بارے میں کیا ہی عمل کرو گے جواب اثبات میں پا کر عامل خلیفہ پر ان کو طیش آگیا۔ فحصبوہ وغضبوا من کلمتہ فحصبہ الناس (کتاب نسب قریش ص۱۴۴) ان پر کنکر مارے ان کے کلام پر برہم ہوئے اور لوگوں نے بھی کنکر مارے، جان بچانے کے لئے وہ عامل بنی امیہ کے گھروں میں جا چھپے۔ حضرت ابن زبیرؓ کی تجویز پر حضرت حسینؓ وعمرو بن عثمانؓ وابن زبیرؓ نے خود کھڑے ہو کر رقم وظائف لوگوں میں تقسیم کر دی۔ حضرت معاویہؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی آپ نے اپنے حلم وکرم سے درگزر کیا۔ فاعرض عنہا (ص۱۵۵ ایضاً)

اسی طرح کے بعض اور روایات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ وابن زبیرؓ جو بعد میں طالب خلافت ہوئے امیر یزیدؒ کی بیعت خلافت کی تحریک کے پہلے ہی سے حکومت کے خلاف حریفانہ روش رکھتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کے مرنے کے منتظر تھے اور اپنے طرفداروں سے کہہ رکھا تھا کہ اس وقت تک خاموش گھروں میں بیٹھے رہو کہ ما دام ھذا الرجل حیا

(جب تک یہ شخص زندہ ہیں)

خاندانی وموروثی خلافت

یہ خیال کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کی قیادت کا حق آپ کے رشتہ داروں کا ہے رسول اللہ صلعم کی حیات میں ہی بنی ہاشم کے بعض افراد کے دلوں میں پیدا ہو گیا تھا۔ کتب تاریخ کے علاوہ صحیح بخاری میں ایک روایت ہے جس میں علامہ عینی نے مراسیل شعبی سے بعض الفاظ کا اضافہ بھی کیا ہے۔ یعنی حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے اپنے بھتیجے علیؓ بن ابی طالب سے آنحضرتؐ کی وفات سے کچھ پہلے کہا تھا۔

"بخدا میرا خیال ہے کہ رسول اللہ صلعم کا اس بیماری میں انتقال ہو جائے گا میں خوب پہچانتا ہوں کہ عبدالمطلب کی اولاد کے چہرے مرتے وقت کیسے ہوتے ہیں، آؤ چلو رسول اللہ صلعم کے پاس چلیں اور پوچھیں کہ آپ کے بعد حکومت کن لوگوں میں ہوگی اگر ہم میں ہوگی تو ہمیں معلوم ہو جائے گا اور اگر ہمارے سوا دوسروں میں ہوتی تو بھی معلوم ہو جائے گا اور اپنے جانشین کو ہمارے حق میں وصیت فرمادیں گے۔ حضرت علیؓ نے اس پر کہا کہ اس امر کی طمع کیا ہمارے سوا کسی دوسرے کو بھی ہو سکتی ہے۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ میرے خیال ہے کہ خدا کی قسم ایسا ضرور ہوگا، اس پر حضرت علیؓ نے کہا اس بارے میں اگر ہم نے رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا اور آپ نے انکار کر دیا تو آپ کے بعد لوگ پھر ہمیں حکومت کبھی نہ دیں گے خدا کی قسم میں تو اس بات کو رسول اللہ صلعم سے ہرگز نہیں پوچھوں گا۔"

یہ روایت اگر غلط نہیں ہے تو اس کے آخری فقرے سے کیا یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہ ہوگا کہ حضرت علیؓ نے اس اندیشہ کی وجہ سے اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنا نہ چاہا کہ آپ کے انکار پر بنی ہاشم کی حکومت کا امکان ہی ہمیشہ کے لئے ختم نہ ہو جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر الصدیقؓ کی بیعت خلافت جن حالات میں ہوئی اس پر تفصیلی گفتگو کا یہاں موقع نہیں، حضرت علیؓ کے چھ ماہ تک ان

سے بیعت نہ کرنے کے بارے میں بہت سی باتیں کہی گئی ہیں[1] حتیٰ کہ امام بخاری نے بھی یہ روایت بیان کر دی ہے کہ:۔

"حضرت فاطمہؓ نبی صلعم کے بعد چھ ماہ تک زندہ رہیں جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے شوہر علیؓ نے رات میں ہی ان کو دفن کر دیا اور ان کے انتقال کی اطلاع حضرت ابوبکرؓ کو نہ دی بلکہ خود ہی نماز جنازہ پڑھ لی۔ جب تک فاطمہؓ زندہ رہیں لوگوں کی نگاہوں میں علیؓ کا وقار رہا مگر جب ان کا انتقال ہو گیا تو حضرت علیؓ نے محسوس کیا کہ لوگوں کے چہرے اب ان سے بدل گئے تو انہوں نے ابوبکرؓ سے صلح کر لینے اور بیعت کرنے کی خواہش کی۔ الی آخرہ"

اس روایت میں آخری فقرہ حضرت علیؓ کی تقریر کا ہے جو بیعت کرتے وقت کی تھی وہ یہ ہے کہ:۔

"ہم آپ کی فضیلت کو اور جو کچھ خدا نے آپ کو عطا کیا ہے اسے پہچانتے ہیں اور کسی بھلائی پر جو آپ کو حق تعالیٰ نے عطا فرمائی ہم حسد نہیں کرتے لیکن آپ نے خلافت کے بارے میں ہمارے خلاف استبداد سے کام لیا ہے، ہم سمجھتے تھے کہ رسول اللہ سے ہماری قرابت کی وجہ سے اس میں ہمارا حصہ ہے۔"

طبری نے حضرت علیؓ کی تقریر کا جو فقرہ نقل کیا ہے اس میں "یہ حصہ" کے بجائے "یہ لفظ حق" کا ہے یعنی نکنا نریٰ ان لنا فی ھذا الامر حقا (ہم سمجھتے تھے کہ اس امر (خلافت) میں

---

[1] خلافت معاویہؓ ویزیدؒ (صفحہ ۱۴۲) میں حبیب بن ثابت تابعیؒ کی مسند سے طبری کی روایت نقل کی گئی ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت خلافت بعجلت و بلا تذبذب کی تھی حضرت علیؓ جیسے ممتاز صحابی کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ احکام شریعت کے خلاف تخلف عن البیعت کا ارتکاب کرتے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ خلافت کے خواہش مند رہے ہوں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اس قسم کی متعدد باتیں نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ "زبیر و جمع از بنی ہاشم در خانہ حضرت فاطمہؓ جمع شدہ درباب نقض خلافت مشورت با یکدیگر می کردند (ازالۃ الخفاء ج ۲ صفحہ ۲۹) گویا شاہ صاحب نے بنی ہاشم کے نظریہ خلافت موروثی کی کوششوں کی تصدیق فرمادی ہے، ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ شیخین نے ان کوششو کو بحسن تدبیر برہم کر دیا۔

ہمارا حق ہے، ابن جریر طبری نے خلافت کے بارے میں حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ایک مکالمہ نقل کیا ہے جس میں حضرت عمرؓ کے ان سے یہ پوچھنے پر کہ میں نے سنا ہے تم کہتے ہو کہ قریش نے خلافت سے تم لوگوں کو حسد اور ظلم کی بناء پر محروم رکھا، حضرت ابن عباسؓ سے یہ قول منسوب کیا ہے کہ بنی ہاشم اہل بیت رسول ہیں جن سے خدا نے گندگی کو دور کر دیا اور اچھی طرح پاک کر دیا، پھر کہا کہ: امیر المومنین۔ میرا آپ پر اور ہر مسلمان پر حق ہے جو اس حق کی حفاظت کرے گا وہ اپنا حصہ پائے گا اور جو اس کو ضائع کر دے گا وہ اپنا حصہ ضائع کر دے گا۔ (طبری ص ۳۲ ج ۵) بہت ممکن ہے کہ یہ اقوال غیر صحیح ہوں اور مبالغہ آمیز بیان ہوئے ہوں لیکن بعد کے واقعات سے جو انتخاب خلافت کے سلسلہ میں پیش آئے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ بنی ہاشم خصوصاً حضرت علیؓ خلافت پر اپنا حق سمجھتے تھے ان کا ایک قول نہج البلاغہ کے مصنف نے نقل کیا ہے جو بہ تغیر الفاظ بعض دیگر کتب میں بھی مرقوم ہے۔

وقد قال قائل انک علی ھذا الامر یا ابن ابی طالب لحریص۔

(نہج البلاغہ)

(حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مجھ سے ایک کہنے والے نے کہا اے ابوطالب کے بیٹے تم اس امر (خلافت) کے بڑے حریص ہو۔)

لہ الامامۃ والسیاسۃ کے مولف نے حضرت عمرؓ کے وہ کلمات نقل کئے ہیں جو مجلس شوریٰ کے ارکان میں سے ہر ایک کے بارے میں فرماتے تھے۔ حضرت علیؓ سے کہا تھا کہ تم منتخب ہوئے تو لوگوں کو سیدھے راستہ پر لے جا سکو گے، مگر خلافت کے تم حریص زیادہ ہو۔ اسی کے ساتھ یہ روایت بھی ہے کہ جب عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد کی تدفین کی اجازت حاصل کرنے کی غرض سے ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے رسول اللہ صلعم و ابوبکرؓ کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت بخوشی دیکر فرمایا تھا کہ عمرؓ کو میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ امت محمدؐ کو بغیر پاسبان کے مت چھوڑ جانا کسی کو ان پر ضرور مقرر کر جانا اگر یوں ہی انہیں آزاد چھوڑ گئے ایسی حالت میں مجھے خوف ہے کہ کوئی فتنہ انتخاب کے وقت نہ اٹھ کھڑا ہو۔ یہ پیغام سنکر حضرت عمرؓ نے بیٹے سے پوچھا کہ ام المومنین کس شخص کے مقرر کرنے کا مجھے حکم دیتی ہیں (ص ۲۳ ج ۱) یہ کہہ کر چند صحابہ کے نام لئے کہ اگر ان میں سے کوئی زندہ ہوتا اسے مقرر کرتا، پھر چھ صحابہ کی مجلس بناتی جس میں حضرت سعدؓ بھی تھے۔ ام المومنین کے ارشاد سے مترشح ہوتا ہے کہ ان ریشہ دوانیوں کا خیال کر کے جو حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کے وقت بعض حلقوں میں کی گئی تھیں، انہیں یہ اندیشہ پیدا ہوا تھا حضرت عمرؓ نے بھی ام المومنین کے مشورہ کو بمنزلہ حکم

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

بیان ہوا ہے کہ یہ کہنے والے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ میں ماموں تھے اور یہی رشتہ ان کا حضرت حمزہؓ سے بھی تھا، طبری کی روایت میں یہ تشریح بھی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں حضرت سعدؓ کی رائے اپنے حق میں حاصل کرنے کی غرض سے حضرت علیؓ اپنے صاحبزادے کو ساتھ لے کر گئے اور کہنے لگے:۔

"میں رسول اللہ صلعم کے واسطے سے میرے اس بیٹے کا جو رشتہ تم سے ہے اس کا واسطہ دے کر اور اپنے چچا حمزہؓ کی تم سے جو قرابت ہے اس کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں کہ تم عثمانؓ کے حق میں میرے خلاف عبدالرحمن بن عوف کے مددگار نہ ہو کیونکہ میری قرابت داری کا حق اس سے کہیں زیادہ ہے جو عثمانؓ کو حاصل ہے۔" (طبری ص ۳۶ ج ۵) شاید اسی گفتگو میں حضرت سعدؓ نے کچھ فرمایا تھا جس کا جواب حضرت علیؓ نے بقول خود یہ دیا تھا:۔

بل انتم واللہ لاحرص وابعد وانا اخص واقرب وانما طلبت حقا لی۔ (نہج البلاغہ)

بلکہ خدا کی قسم تم اس کے (خلافت کے) بہت زیادہ حریص ہو اور اس سے بہت زیادہ دور بھی اور میں اس سے خصوصیت خاص رکھتا ہوں اور اس سے بہت قریب ہوں میں نے تو اپنا حق طلب کیا ہے۔

حضرت علیؓ کا یہ قول حقیقت میں نہ ہو، غلط منسوب ہو تب بھی مجلس شوریٰ کی کارروائی کی تفصیلات سے جو طبری اور دیگر مورخین نے پیش کی ہیں ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں اپنی ناکامی کا حضرت علیؓ کو ایسا ملال تھا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف سے کہنے لگے جنہوں نے امیدواری سے دست بردار ہو کر بقیہ ارکان میں سے کسی کو منتخب کرنے کا اختیار حاصل کر لیا تھا کہ "تم نے قطعاً زمانہ سازی سے کام لیا، یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم نے ہمارے خلاف مظاہرہ کیا ہو۔ فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون۔ خدا کی قسم تم نے عثمانؓ کو محض اس لئے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) سے تعبیر کیا تھا جس سے ثابت ہے کہ ان کی نظروں میں بھی موصوفہ کی وہی عظمت تھی جو حضرت عثمانؓ کے نزدیک تھی، جیسا ان کے آخری خط کے فقرات سے ظاہر ہے جو اوپر نقل ہوئے، ان عظماء ملت کی نظروں میں جب ام المومنین کا یہ وقار ہو تو حضرت علیؓ کے طرز عمل کے بارے میں مورخین نے جو روایتیں نقل کی ہیں کیا موجب استعجاب نہیں؟

خلیفہ بنایا ہے کہ کل وہ تمہیں خلیفہ بنا دے۔" اُمیہ کہتے ہوئے کہ سیبلغ الکتاب اجلہ (تحریر بہت جلد اپنی مدت کو پہنچ جائیگی) (طبری ج۵) بلا بیعت کئے چل دئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے پکار کر کہا کہ "ومن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن اوفی بما عاھد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجرا عظیما" (جو عہد شکنی کرتا ہے وہ اپنے ہی نفس کے خلاف عہد شکنی کرتا ہے اور جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرتا ہے تو اللہ اسے بڑا اجر دے گا)۔ اس پر حضرت علیؓ لوگوں کو چیرتے ہوئے لوٹے اور بیعت کی مگر بیعت کرتے وقت بھی برابر یہ کہتے رہے کہ یہ فریب ہے کتنا بڑا فریب۔" (طبری ص۲۱ ج۵)

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ اور بعض ان کے ہم خیال حضرات خلافت کو خاندانی وراثت سمجھتے تھے لیکن صحابہ کی اکثریت انتخاب خلیفہ کو شورائی جانتی تھی چنانچہ پہلے تینوں خلفاء کا انتخاب اسی طریقے سے ہوا۔

ابن ابی الحدید نے ایک موقع پر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے باہمی تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ کبھی تو دونوں میں میل جول صلح صفائی ہو جاتی اور کبھی مخالفت و بیزاری رہتی

لہ حضرت علیؓ نے جب حضرت عبدالرحمٰنؓ سے یہ عہد لیا تھا کہ تم حق کو ترجیح دو گے، خواہش نفس کا اتباع نہیں کرو گے، رشتہ داری کا لحاظ نہ کرو گے اور محض امت کی خیر خواہی کو مدنظر رکھو گے۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰنؓ نے بھی ان سے عہد لیا تھا کہ جو شخص بعد میں تبدیل و تغیر کرنا چاہے اس کے خلاف تم سب میرا ساتھ دو گے اور جسے میں منتخب کر دوں اس پر راضی رہو گے۔ مجھ پر اللہ کے لئے یہ عہد ہے کہ میں کسی رشتہ دار کا رشتہ داری کی وجہ سے کوئی خیال نہ کروں گا اور محض مسلمانوں کی خیر خواہی کو مدنظر رکھوں گا۔

طبری کی روایت میں صراحتاً بیان ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے دن رات صحابہ سے امراء افواج سے شرفاء سے عام مسلمانوں سے اصحاب الرائے سے مدینہ کے ہر رہنے والے سے یا جو باہر سے آئے ہوئے تھے سب سے مشورہ کیا وہ جس سے بھی ملے اور پوچھا اس نے عثمانؓ ہی کا نام لیا، علیؓ کا کسی نے نام نہ لیا، شاید اسی قسم کے حالات کے پیش نظر حضرت عباسؓ نے اپنے بھتیجے کو مشورہ دیا تھا کہ مجلس شوریٰ کا بائیکاٹ کر دیں فقال العباس لعلی لا تدخل معھم (طبری ص۳۴ ج۵) نیز یہ فرمایا کہ دیکھو میں نے رسول اللہ صلعم کی بیماری میں تم سے کہا تھا کہ خلافت کے بارے میں پوچھ لو تم نے میرا مشورہ نہ مانا، پھر عمرؓ نے جب مجلس شوریٰ بنائی تھی تم سے کہا تھا کہ شامل نہ ہو جاؤ ان سے صاف کہہ دو کہ یا تو تمہیں خلیفہ بنائیں ورنہ ان سے الگ رہو۔

(طبری ایضاً)

حکومت کی پالیسی پر جو نکتہ چینی کی جاتی خواہ نیک نیتی سے تھی یا ہنسی مذاق سے[لہ] وہ مدینہ سے باہر پہنچتی بات کا بتنگڑ بنتا، دوسرے لوگ اثر قبول کرتے۔ منافقین تو شروع ہی سے اس تاک میں تھے کہ آپس کے اختلاف کو ہوا دیں۔ حضرت علیؓ کی مخالفت جب نمایاں ہوئی اور ان کے ذاتی شرف و امتیاز کے ساتھ موروثی خلافت کے بارے میں ان کے رجحان پر اور حاشیے چڑھائے گئے ابن سبا نے وصایت کا نظریہ اختراع کیا۔ حضرت عثمانؓ کے آخری عہد میں اس نظریہ نے عملی تحریک کی صورت اختیار کرلی اور اسی تحریک کے علمبرداروں کے ہاتھوں جیسا مختصراً بیان ہو چکا حضرت عثمانؓ شہید ہوئے اور انہی کے ہاتھوں حضرت علیؓ خلیفہ بنائے گئے۔

اسلامی سیاسی نظام کا تاریخی موڑ

مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی حضرت علیؓ نے بعض تجربہ کار و کارگزار عمال حکومت کو جن کی شاندار خدمات تھیں برطرف کر کے اپنے ہی خاندان کے بعض افراد کو اور دوسرے عزیزوں کو جنہیں انتظامی معاملات کا کوئی سابقہ تجربہ مطلق نہ تھا مناصب اعلیٰ پر مقرر کر دیا۔ اس بات پر ان کا معتمد خاص مالک الاشتر بگڑ گیا اور کہا "فعلام اذا قتلنا الشیخ بالامس" (شرح ابن ابی الحدید) ہم نے ان بڑے میاں (حضرت عثمانؓ) کو کل کس لئے قتل کیا تھا[لہ]۔ یہ بات اس نے اس بناء پر کہی تھی کہ اپنے چچیرے بھائیوں کو حجاز و یمن و عراق کی حکومتیں سپرد کر دیں۔ حضرت علیؓ نے جب مالک الاشتر کی یہ بات سنی اور اس کی ناراضی کا حال معلوم ہوا ڈانٹ ڈپٹ کے بجائے الٹی اس کی دلجوئی کی اور معذرت کرنے لگے۔

لہ حضرت علیؓ خوش طبع اور ظریف تھے، حضرت عمرؓ نے اس وقت کہ موت سامنے تھی ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ "وان ولی علی ففیہ دعابۃ واحربہ ان یحملھم علی طریق الحق" (طبری ص۳۵ ج۵) یعنی اگر علی کو خلیفہ بنایا تو ان میں ہنسی مذاق کا مادہ زیادہ ہے مگر لوگوں کو حق کے راستہ پر لے چلیں گے۔

لہ حضرت عثمانؓ نے تو اپنے بارہ سالہ مدت خلافت میں اس طرح اپنے کسی عزیز کو کوئی منصب جلیل عطا نہیں کیا تھا حضرت معاویہؓ، ولید بن عقبہؓ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا تقرر تو پہلے خلفاء نے کیا تھا۔ ایک عبداللہ بن عامر کا تقرر البتہ انہوں نے کیا جو آنحضرت صلعم کی پھوپی ام البیضاء کے نواسے تھے اور ان کی بڑی شاندار خدمات میں مشرقی ممالک کا بیشتر حصہ انہوں نے فتح کیا تھا۔

وان علیا لما بلغه هذه الکلمة
احضرہ ولاطفه واعتذر الیه
(شرح ابن ابی الحدید)

جب (حضرت) علیؓ کے کان تک (الاشتر) کا یہ قول پہنچا تو اسے بلایا، اس سے ملاطفت کا برتاؤ کیا اور معذرت کی۔

اس معذرت کے بارے میں ابن ابی الحدید نے حضرت علیؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ میں نے تو صلۂ رحم کا برتاؤ کیا ہے، یعنی رشتہ داری کے تعلق سے یہ تقررات کئے ہیں، کیونکہ اپنے چچا عباسؓ کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امارت طلب کرتے ہوئے کئی بار سنا تھا اور عمرؓ و عثمانؓ کے زمانوں میں "ابناء الطلقاء" کو عہدے ملے، مگر میرے چچا کے بیٹوں میں سے کسی کو کوئی عہدہ نہ ملا ان کے دلوں میں اس کا ملال تھا، لہٰذا اس رنج و ملال کو میں نے ان کے دلوں سے

لہ حضرت علیؓ کی زبان سے یہ لفظ ان کی متعدد تقریروں خطبوں میں اور بزبان قلم مراسلات میں تنقیصاً ادا ہوا ہے، اول تو یہ لفظ موجب تنقیص نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم کعبہ میں بغیر جنگ و جدل کے فاتحانہ داخلہ کے بعد اپنی قوم قریش سے جس میں بنی امیہ کے علاوہ سب ہی خاندانوں کے لوگ شامل تھے۔ فرمایا کہ تم سب آزاد ہو تم پر کوئی سرزنش نہیں، پھر حضرت ابو سفیانؓ اور حضرت معاویہؓ فتح مکہ سے قبل ہی داخل اسلام ہو چکے تھے اس کے علاوہ آپ کے عمال میں کوئی ہاشمی نہ تھا، اکثر و بیشتر بنی امیہ ہی کے افراد شامل تھے یعنی:

۱۔ عتاب بن اسید اموی عامل مکہ
۲۔ ابو سفیان بن حرب " نجران
۳۔ یزید بن ابوسفیان " تیماء
۴۔ معاویہ بن ابوسفیان " کاتب رسول اللہ و مبلغ اسلام مقام حضرموت
۵۔ خالد بن سعید " عامل صنعاء
۶۔ عمرو بن سعید " قری عربیہ (تبوک و خیبر و فدک)
۷۔ الحکم " وادی القری
۸۔ ابان " بحرین
۹۔ ولید بن عقبہ " بنی المصطلق
۱۰۔ العلاء حلیف بنی امیہ " اموال غنائم و محافظ خاتم رسول اللہ

——— (۱۰) ———

یوں دور کر دیا۔ وازیل ما کان فی انفسهم۔ ان کے دوسرے عزیزوں کے دلوں میں تو ایسا کوئی ملال نہ تھا مگر صلۂ رحمی کا دائرہ ان تک بھی وسیع کیا گیا۔ اپنے حقیقی بھانجے[لہ] اور داماد جعدہ بن ہبیرہ کو خراسان کی گورنری عطا کی اور سوتیلے بیٹے محمد بن ابی بکرؓ کو مصر کی۔ گویا اسلامی حکومت کے تقریباً تمام اہم صوبے اپنے رشتہ داروں کی حکومت میں دیدئے جن میں بیشتر نوجوان و ناتجربہ کار تھے بایں تفصیل:۔

۱۔ گورنر یمن۔ عبیداللہ بن عباسؓ ۲۔ گورنر مکہ۔ معبد بن عباسؓ ۳۔ گورنر مدینہ۔ قثم بن عباسؓ
۴۔ گورنر عراق۔ عبداللہ بن عباسؓ ۵۔ گورنر خراسان۔ جعدہ بن ہبیرہ (بھانجہ و داماد)
۶۔ گورنر مصر۔ محمد بن ابی بکرؓ (سوتیلے بیٹے) (۷) افسر افواج۔ محمد ابن الحنفیہ (فرزند حقیقی) ہوائے شام کے کوئی صوبہ خالی نہ تھا،[ٹلہ] مگر صوبہ شام پر حضرت معاویہؓ بیس برس سے بڑی کامیابی سے گورنری

لہ یہ جعدہ حضرت علیؓ کی بہن ام ہانی کے جن کا اصل نام فاختہ تھا فرزند تھے۔ ام ہانی نے بھی فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا، مگر ان کے شوہر ہبیرہ بھاگ کر نجران چلے گئے اور بحالت کفر ہلاک ہوئے وھرب هبیرۃ من الاسلام الی نجران ومات بها کافراً (کتاب نسب قریش ص۳۴۳) جعدہ حضرت علیؓ کے داماد تھے اور شاعر بھی۔ شعر گوئی کا مادہ اپنے باپ سے پایا تھا۔ ان کا ایک شعر ہے جس میں اپنے ماموؤں علیؓ و عقیلؓ پر فخر کیا ہے۔

ومن ذا الذی یباًی علی بخاله ، وخالی علیٌ ذو الندی وعقیل

ٹلہ حضرت علیؓ کا اپنے چچیرے بھائیوں کو گورنر مقرر کرنا اور اپنے صاحبزادوں حسنؓ و حسینؓ کو دور دراز کا کوئی عہدہ نہ دینا، تشیعین میں بحث و مباحثہ کا سبب ہوا یہ مباحثہ قاضی عبدالجبار قاضی القضاۃ بغداد اور شریف المرتضیٰ مصنف نہج البلاغہ کے مابین تحریراً اور تالیفات کے ذریعہ ہوا تھا، قاضی القضاۃ نے ایک استدلال یہ پیش کیا تھا کہ خود حضرت علیؓ ان صاحبزادوں میں انتظامی امور کی اہلیت نہیں پاتے تھے شریف المرتضیٰ نے جواباً کہا تھا کہ اول تو حضرت علیؓ جنگوں میں مشغول ہوگئے تھے پھر حضرت حسنؓ کی بیعت خلافت بھی ان کی اہلیت کی دلیل ہے اور حضرت حسینؓ کی صلاحیت خلافت پر تو اجماع مسلمین ہے ان کے والد کے ان کو حاکم نہ بنانے سے ان کی صلاحیت کی قدح نہیں ہو سکتی۔ ولم تکن ترک تولیته ایاه الولایات قادحاً فی صلاحیه لها (شرح نہج البلاغہ جزو ۱ ص۳۴۹) مناقب کی وضعی احادیث کے الفاظ میں عقیدت مندی چاہے کہلوائے اوراق تاریخ تعمیر ملت کی نمایاں خدمات اور کارناموں سے جو ان حضرات کے نسبی و حسبی علوئے مرتبت سے متوقع ہو سکتے تھے یکسر خالی ہیں، دو مرتبہ جہادوں کی شرکت البتہ ثابت ہے وہ بھی اموی سپہ سالاروں کی قیادت میں۔

کے فرائض انجام دے رہے تھے، کون ان سے جا کر جارج لے سکتا تھا حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حضرت علیؓ نے اصرار بھی کیا مگر انہوں نے وہاں جانے کی حامی نہ بھری۔

الغرض خاندانی وموروثی خلافت وحکومت کے تصورات نے اسلام کے سیاسی نظام کو ملوکیت کے ڈھانچہ میں تبدیل ہوجانے کی اس طرح داغ بیل ڈلوادی اور خانہ جنگیوں نے ملک عضوض کی طرح ڈالی جس کی تشریح شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ان الفاظ میں کی ہے:۔

ومعنی لفظ عضوض دلالت میکند بر حروب ومقاتلات وجہید ن یکے بر دیگرے ومنازعت یکے با دیگرے در ملک (ازالۃ الخفاء ص۱۴۲ ج)	اور لفظ عضوض کے معنی دلالت کرتے ہیں جنگوں خونریزیوں اور ایک کے دوسرے پر یورش کرنے اور جھگڑا کرنے جو ملک وسلطنت کے بارے میں ہوں۔

خانہ جنگیوں میں سبقت حضرت علیؓ ہی کی جانب سے ہوئی وہ ہی پہلے ام المومنین کے خلاف لیکر گئے پھر تقریباً ایک لاکھ نفوس کا لشکر لیکر حضرت معاویہؓ کے خلاف حضرت علیؓ ہی کے ایک فرد خاندان ابو جعفر المنصور نے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے تھے اپنی ایک تقریر میں جو محمد المہدی حسنی کی بغاوت فرو ہوجانے کے بعد مجمع عام میں کی تھی، خانہ جنگیوں اور ان کے نتائج کا ذکر جن الفاظ میں کیا تھا اس کو طبری نے اپنے اوراق میں محفوظ رکھا ہے۔ جس کے یہ فقرے یہاں نقل کرنا مناسب ہیں:۔

یہ جو میرے اہل خاندان علی بن ابی طالب کی اولاد ہے بخدا اس حکومت کے معاملہ میں ہمارا ان سے کوئی جھگڑا نہیں۔ ہم نے تو اس خلافت کو انہیں کے لئے چھوڑ دیا تھا اور اس میں تھوڑا یا زیادہ کچھ بھی حصہ نہیں لینا چاہا۔ علی بن ابی طالب خلیفہ ہوئے تو اس سلسلہ میں وہ خلوص سے لت پت ہوگئے۔ دو شخصوں نے ان کے مخالف فیصلہ کردیا اس وجہ سے امت اسلام نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور لوگ ان کے مخالف ہوگئے پھر انہی کے شیعہ مددگار، دوست رازدار اور معتمد لوگوں نے ان پر یورش کی اور قتل کردیا ان کے بعد حسن بن علیؓ خلیفہ ہوئے مگر بخدا وہ اس کے مرد نہ تھے جب ان کو روپیہ پیش کیا گیا انہوں نے اسے قبول کرلیا...... انہوں نے خلافت سے استعفا دیدیا اور اسے معاویہؓ کے سپرد کردیا اور خود عورتوں سے تمتع کرنے میں مصروف ہوگئے روزانہ ایک نکاح کرتے اور صبح کو طلاق دیدیتے۔ اسی طرح انہوں نے اپنی زندگی پوری کردی۔ بستر پر

پڑے پڑے انتقال کیا۔[1] ان کے بعد حسین بن علی اٹھے، عراقیوں اور کوفیوں نے ان کو دھوکہ دیا۔ (کوفہ کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگے) اس سیاہ سرزمین کے باشندے بخدا بڑے جھگڑالو، منافق اور ہر وقت فتنہ وفساد کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں یہ نہ جنگ ہے کہ میں ان سے لڑوں اور نہ صلح ہے کہ صلح کروں اللہ مجھے ان سے دور رکھے ——— انہوں نے حسین کا ساتھ چھوڑ دیا اور ان کو دشمن کے حوالے کردیا وہ مارے گئے۔" (الی آخرہ)

---

[1] بعض کتب تاریخ میں تصریح ہے کہ حسنؓ نے چالیس دن بستر پر پڑے پڑے انتقال کیا (مرض الحسن اربعین یوماً (تاریخ الخمیس ص۳۲۶ ج) دمیری نے مدت علالت دو ماہ بیان کی ہے (ص۶۶ ج۱) ذیا الطبس کا عارضہ عرصہ سے لاحق تھا۔ اس ہی شہد کا شربت پینے سے استعداد ہوگیا۔ زہر خورانی کی وضعی روایتیں زمانہ مابعد کی ہیں۔ قدیم مورخین ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ وابوحنیفہ دینوری متوفی ۲۸۱ھ مولف اخبار الطوال نیز صاحب کتاب المحبر متوفی ۲۴۵ھ نے زہر خورانی کا اشارۃً بھی ذکر نہیں کیا۔ شیعہ مورخ یعقوبی زہر خورانی کا ذکر کرتا ہے مگر زہر دینے والے کا نام نہیں لیتا۔ اسی طرح ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کسی کا نام نہیں لیا۔ مسعودی متوفی ۳۴۶ھ جو غالی مگر قابل شخص تھا یہ کہا جاتا ہے "کے ساتھ حسنؓ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث بن قیسؓ کا نام لیتا ہے کہ معاویہؓ کے اشارہ سے زہر دیا تھا مگر اپنے قول کی سند نہیں پیش کرتا۔ محقق لامن نے لکھا ہے کہ حسنؓ حرم کی زندگی بسر کرنے سے بہت نحیف ہوگئے تھے ان کی شخصیت قطعاً بے آزار تھی کسی کو کیا پڑی تھی کہ ایسے بے آزار شخص کو زہر دے یا دلوائے۔ المدائنی کی روایت ہے کہ اپنے والد ماجد کی زندگی میں حسنؓ نے نوے[90] نکاح کئے تھے ابن سیرین نے کہا ہے کہ ایک خاتون سے نکاح کیا تو ایک سو کنیزوں کے ذریعہ روپیہ بھیجا، ہر کنیز کے ساتھ ایک ہزار درہم یعنی ایک لاکھ درہم بھیجے (تاریخ الخمیس ص۳۲۶ ج) حضرت معاویہؓ سے شرائط صلح میں یہ شرط بھی تھی کہ بیت المال کوفہ میں جو کچھ ہے مجھے دیا جائے چنانچہ پانچ کروڑ نقد اور دیگر بیش قیمت سامان لے کر مدینہ آئے تھے لاکھ سالانہ وظیفہ ملتا تھا وہ سب حرم کی زندگی پر خرچ کردیتے اور قرض کر لیتے ایک مرتبہ ادائے قرض کے لئے حضرت معاویہؓ سے دست سوال دراز کیا انہوں نے دریا دلی سے اسی ہزار دینار عطا کئے (ص۳۲۶ ایضاً) ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون (مطبوعہ تہران ۱۳۲۷ھ) میں ص۳۰۹ پر لکھا ہے کہ۔ حضرت امام حسنؓ نے ڈیڑھ سو پچاس اور دوسری روایت سے تین سو عورتوں سے نکاح کئے تھے اس پر امیر المومنین علیؓ نے منبر پر فرمایا کہ حسن بہت زیادہ طلاق دیتے ہیں، لوگوں نے کہا: "یک شب دختر مارا تزویج کند برائے ما از شرف کافی است" (ص۳۰۹ سطر) ملا صاحب نے یہ عجیب بات لکھی ہے کہ جتنی عورتوں کو طلاق دی تھی وہ سب کی سب حسنؓ کے جنازے پر ننگے پاؤں روتی پیٹتی حاضر ہوئیں۔ مشکوٰۃ و ابوداؤد میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ابغض الحلال الی اللہ الطلاق یعنی جائز چیزوں میں ناگوار ترین چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے عرب کثیر النکاح تھے اور طلاق بھی کثرت سے دیتے تھے مگر حضرت حسنؓ کے نکاحوں کی تعداد ملا باقر مجلسی نے شاید مبالغہ سے بیان کی ہے۔ بعض نسبتی نے سوا اللہ ابن ابی الحدید نے ستر تعداد بتائی ہے آخر الذکر تعداد زیادہ قرین صحت معلوم ہوتی ہے۔

ابو جعفر المنصور" کی تقریر کا یہ فقرہ قدرے تشریح طلب ہے کہ "دو شخصوں نے ان کے (علیؓ کے) مخالف فیصلہ کردیا اس وجہ سے امت اسلام نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور لوگ ان کے مخالف ہو گئے۔"

"دو شخصوں" سے مراد ثالثوں سے ہے، جو ان کے اور حضرت معاویہؓ کے تنازعہ کا تصفیہ کرنے کے لئے حکم مقرر ہوئے تھے، یہ تنازعہ بھی محض خونِ عثمانؓ کے قصاص کے بارے میں تھا۔ انتخابِ خلیفہ سے اس قضیہ کا کوئی تعلق و واسطہ مطلق نہ تھا چنانچہ خود حضرت علیؓ نے اپنے گشتی مراسلہ میں صراحتاً" بیان کیا تھا کہ ہم میں اور اہل شام میں جو مقابلہ ہوا وہ خونِ عثمانؓ کے بارے میں تھا (خلافت معاویہؓ و یزید" صہ ۱۵) ثالثی کی نوبت یوں آئی کہ فریقین کے لشکروں میں جن کی مجموعی تعداد مورّخین نے دو لاکھ سے متجاوز بیان کی ہے، صحابہ و تابعین و قرّا (حفاظ قرآن) کی جماعتیں موجود تھیں، تین مہینے سے زیادہ مدت تک دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آراء رہے، دونوں جدال و قتال سے بچنا چاہتے تھے، فریقین میں مراسلات کا سلسلہ عرصہ تک جاری رہا، صلح مصالحت کی غرض سے وفود بھی آتے جاتے رہے پھر لگیں جھڑپیں ہوئیں جن میں سخت خون ریزی بھی ہوئی مگر جانبین کے سنجیدہ لوگوں خصوصاً" حفاظ قرآن کے دلوں میں یہ خیال پختہ ہوتا گیا کہ اپنے ہی دینی بھائیوں کی گردنیں کاٹنے اور اپنی کٹوانے کے بجائے اس تنازعہ کا کوئی اور معقول حل تلاش کیا جائے خصوصاً" اس خطرے کے پیش نظر کہ اس خانہ جنگی کے نتیجہ میں دشمنانِ اسلام کو جو اسی تاک میں لگے ہوئے تھے مسلمانوں کی حربی قوت کو فنا کردینے کا موقع مل جائے گا۔ بالآخر ثالثی کی اس تجویز پر کہ اس تنازعہ کا قرآن و سنت کی رو سے فیصلہ کرایا جائے فریقین متفق ہو گئے۔ [1]

---

[1] مالک الاشتر جو حضرت عثمانؓ پر یورش کرنے والی بلوائی جماعت کا لیڈر تھا لڑائی بند کرا کے ثالثی ہونے پر شدید مخالف تھا اور یہی شخص اور اس کے ساتھی ہی تو تھے جنھوں نے خفیہ سازش سے لڑائی چھیڑ کر اس صلح مصالحت کو ناکام کردیا تھا جو جنگ جمل سے قبل فریقین میں ہو گئی تھی کیونکہ مصالحت کی صورت میں قاتلین بغیر سزا کے نہیں بچ سکتے تھے ایسی ہی کچھ صورت یہاں بھی تھی مگر حضرت علیؓ کے لشکر کے بعض ممتاز و باثر اشخاص خصوصاً" حضرت اشعث بن قیسؓ برادر نسبتی حضرت ابو بکر الصدیقؓ کی دھمکی سے بالآخر وہ بھی مجبور ہو گیا۔ ابو مخنف وہشام کلبی جیسے کذابین کی راویتیں کہ شکست ہوتے دیکھ کر قرآن نیزوں پر بلند کرا کے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

دو جلیل القدر صحابی جن کی قابلیت و دیانت و معدلت گستری پر صحابہ و تابعین و جمہور امت کو اعتماد کلی تھا ثالث مقرر ہوئے حضرت عبداللہ بن قیس ابو موسیٰ الاشعریؓ [1] حضرت علیؓ

---

[1] ابن جریر طبری نے ابو مخنف ہی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ اپنی جانب سے اپنے چچیرے بھائی حضرت ابن عباسؓ کو ثالث مقرر کرنا چاہتے تھے لوگوں نے اعتراض کیا کہ وہ تو آپ کے بھائی آپ کی ذات کے مثل ہیں اس پر انہوں نے اپنے معتمد خاص مالک الاشتر کا نام پیش کیا، حضرت اشعثؓ وغیرہ نے کہا کہ لڑائی بھڑ ساتی کی یہ ساری آگ تو اسی کی بھڑکائی ہوئی ہے مجبوراً حضرت ابو موسیٰؓ کی ثالثی قبول کرلی اور بقول شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلویؒ یہ کہا کہ لو ابو موسیٰ تم فیصلہ کردو چاہے میری گردن کاٹنے ہی کے بارے میں کیوں نہ ہو (ازالۃ الخفاء ج۲ صہ۲۸۰) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بڑے عالم و فقیہہ صحابی تھے ان چار صحابہ میں سے تھے جو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں فتوے دیتے تھے (تذکرۃ الحفاظ ذہبی) وہ خانہ جنگی سے الگ تھلگ گوشۂ عزلت میں تھے جب سپیامبر نے اطلاع دی کہ تنازعہ ثالثی کے سپرد ہو گیا سنکر کہا الحمدللہ رب العالمین جب یہ سنا کہ انہیں ثالث مقرر کیا گیا ہے فرمایا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رشتہ میں حضرت علیؓ کے بہنوئی (داماد) تھے ان کے مختصر حالات اس کتاب میں بزمرہ تذکرہ صحابہ شامل ہیں۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) لڑائی بند کرائی گئی تھی، نامعتبر اور غیر مستند ہیں، فریقین کے لوگوں میں یہ جذبہ پہلے سے موجود نہ ہوتا کہ خانہ جنگی بند ہو کر تنازعہ کا دوسرا حل تلاش کیا جائے، ہزار قرآن نیزوں پر بلند کئے جاتے جنگ ملتوی نہ ہو سکتی تھی۔ غالی راویوں نے علوی پارٹی کے پوزیشن کو بڑھا چڑھا کر اور مخالف پارٹی کے پوزیشن کو گھٹا کر بیان کرنے کی غرض سے واقعات کی صورت مسخ کرکے پیش کی ہے۔ جنگ جمل میں خود حضرت علیؓ ہی نے قرآن بلند کراکے لڑائی بند کرانے کی کوشش کی تھی۔ مسئلہ تو کچھ پیچیدہ نہ تھا بہت سادہ تھا یعنی قرآن و سنت کی رو سے قصاص لینا واجب تھا جو باوجود قادر ہونے کے نہ لیا گیا اور قاتلین اور ان کے ساتھی حضرت علیؓ کے لشکر میں موجود رہے اور وہ ہی ان کے انتخاب میں بھی پیش پیش رہے تھے اس لئے رائے عامہ کا رجحان قوی ہوتا گیا کہ تلوار کے بجائے ثالثی سے معاملہ کا تصفیہ ہو۔ ایک مستشرق کا یہ قول اس سلسلہ میں قابل لحاظ ہے انہوں نے کہا ہے کہ:۔

قرآن پر اس فیصلہ کا انحصار کیا جانا علیؓ کے (پوزیشن کے) لئے قطعاً تباہ کن تھا کیونکہ اس مقدس صحیفہ کی رو سے یہ تحقیق کرنا تھا کہ اس طرز عمل کے اعتبار سے جو قتل عثمانؓ کے سلسلہ میں ان کا رہا تھا وہ خلیفہ قائم رہنے کے لائق نہ تھے چنانچہ فی الوقت وہ معزول المقصور ہوئے اس کے برخلاف معاویہؓ کا پوزیشن فیصلہ کے نتیجے سے

کی جانب سے اور حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت معاویہؓ کی طرف سے۔ ثالثی نامہ کی جو دستاویز لکھی گئی تھی اس پر فریقین کے علاوہ ان کے معتمد رفقاء کے جن کی تعداد دس اور چالیس تھی گواہی میں دستخط ثبت ہوئے۔ ثالثوں نے فریقین سے جو عہد و اقرار لیا تھا مورخ ابوحنیفہ الدینوری نے اخبار الطوال میں اس کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں :۔

واخذ عبد اللہ بن قیس وعمرو بن العاص علی علیؓ و معاویۃ عھد اللہ ومیثاقہ بالرضا بما حکمابہ فی کتاب اللہ وسنۃ نبیہ ولیس لھما ان ینقصا ذلک ولا یخالفاہ الی غیرہ۔

(اخبار الطوال)

عبد اللہ بن قیس (ابو موسیٰ الاشعری) و عمرو بن العاص نے علی و معاویہ سے اللہ کے نام پر موثق عہد و اقرار لیا ہے کہ یہ دونوں ثالثوں کے فیصلہ پر راضی ہوں گے جو کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت کی بنیاد پر کیا جائے۔ علی و معاویہ کو اس کی اجازت نہ ہوگی کہ وہ ثالثوں کے فیصلہ کو توڑ دیں اور اس کے برخلاف کسی اور طرف مائل ہوں۔

اخبار الطوال کے مولف نے جو ابن جریر طبری سے پہلے کے مورخ ہیں ثالثی نامہ بغیر کسی ترک و حذف کے تمام و کمال درج کرتے ہوئے مندرجہ بالا فقرہ کو جو اس دستاویز کا اہم اور ضروری جزو ہے نقل کیا ہے کیونکہ فریقین سے ثالثوں کا یہ عہد و اقرار لینا کہ وہ ان کے فیصلہ کو قبول کریں گے اس سے انحراف نہ کریں گے لازم ولابد تھا مگر ابن جریر طبری نے یا تو اس فقرہ کو خود ہی حذف کر دیا یا ابو مخنف نے جس کی روایت سے انہوں نے ثالثی نامہ کی عبارت اپنی کتاب میں نقل کی ہے اسے ترک کر دیا تھا۔

بہر حال دونوں محترم ثالثوں نے تمام حالات و واقعات کا غیر جانبدارانہ جائزہ لے کر یہ قرار دیا کہ قرآن، سنت کی رو سے چونکہ قصاص خون عثمانؓ لینا واجب تھا جو حضرت علیؓ نہ لے سکے بلکہ مانع آئے۔ قاتلین اور ان کے ساتھی ان کے لشکر کے ساتھ ساتھ ہیں اور امت خانہ جنگی میں مبتلا ہے اس لئے وہ خلافت سے معزول ہوں، از سر نو انتخاب ہو نیز جس وقت تک دوسرا موزوں شخص منتخب نہ ہو لڑائی موقوف رہے اور فریقین اپنے اپنے مقبوضات پر قابض و حکمراں رہیں۔ عراقی پارٹی کے سیاسی مقاصد کے حق میں یہ فیصلہ تباہ کن تھا وہ اس سے سخت بیزار تھے ادھر حضرت علیؓ نے یہ فرما کر کہ ثالثوں نے انصاف سے کام نہیں لیا فیصلہ

ثالثی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور زید بن الحصین و عبد اللہ بن وہب خارجی لیڈروں اور ان کے ساتھیوں کو جن سے وہ اس زمانہ میں برسرپیکار تھے خط بھیجا کہ ثالثوں نے چونکہ خواہش نفسانی سے فیصلہ صادر کیا ہے ہم اسے قبول نہیں کرتے اور اب ہم اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آئے ہیں اپنے اور تمہارے دشمن کے خلاف جنگ کرنے چلتے ہیں آؤ اور ہمارا ساتھ دو۔ خارجی لیڈروں نے قریب قریب اسی مضمون و مفہوم کا جواب دیا جو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے اس جملے سے جو پہلے بھی نقل ہو چکا ہے، مترشح ہے کہ یہ مقاتلات وے (علی) رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام (ازالۃ الخفاء ص۲۷۲ ج ۲) حضرت علیؓ کے مراسلہ اور خارجیوں کے جواب کو طبری (ص۴۲ ج ۶) کامل المبرد وغیرہ کے علاوہ محقق لامن نے اپنی مبسوط تالیف بزبان فرانسیسی "خلیفہ معاویہ" (ص۱۳۷) میں نقل کیا ہے۔ ان لوگوں نے جواباً لکھا تھا "اس تمام معاملہ میں اللہ کے دین کا تو کوئی مسئلہ ہے نہیں، یہ تو تمہارا اپنا ذاتی معاملہ ہے اور تم نے اسی وجہ سے ثالثوں کے فیصلہ کو ماننے سے انکار کیا ہے کہ وہ تمہارے مفاد کے خلاف ہے۔"

طبری نے اس سلسلے میں یہ روایت بھی درج کی ہے جس کو دوسرے مورخین نے بھی نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ جب اذرح (مقام ثالثی) سے لوٹ کر آئے اور حضرت علیؓ کو فیصلہ کے مضمون سے آگاہ و مطلع کیا انہیں اس بات کا ایسا رنج و ملال ہوا کہ اس دن سے وہ ہر نماز فجر کے بعد نہ صرف معاویہؓ بلکہ عمرو بن العاصؓ و ابو الاعور السلمیؓ وحبیب بن مسلمہؓ و عبد الرحمٰن بن خالد بن ولیدؓ و ضحاک بن قیس اور تمام صحابہ و رفقائے معاویہؓ پر لعنت بھیجا کرتے تھے، یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے بھی ترکی بترکی جواب دیا اور علیؓ و ابن عباسؓ و مالک الاشتر و حسنؓ و حسینؓ پر لعنت بھیجنی شروع کی۔ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں اسی قسم کی روایتیں کئی جگہ درج کی ہیں علامہ ابن کثیرؒ نے تو یہ روایتیں درج کر کے اتنا لکھ بھی دیا ہے "لا یصح واللہ اعلم" مگر دوسرے مورخین نے حضرت علیؓ کے لعنت بھیجنے کا ذکر ترک کر کے حضرت معاویہؓ اور ان کے بعد تمام بنی امیہ ہی کا یہ فعل قرار دیا ہے، اس لئے ضمناً یہاں اس کا ذکر کیا گیا ورنہ یہ روایت ابو مخنف جیسے غالی کی ہے، شاید اسی سے ابن ابی الحدید نے بھی اخذ کی ہو مگر ہرگز لائق اعتبار نہیں۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ ایسا کرتے، حاشا جنا ہم پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ چند دن بعد ہی سے حضرت ابن عباسؓ و حسنؓ و حسینؓ میں اور حضرت معاویہؓ میں کیسے کچھ تعلقات محبت و مودت کے قائم ہوئے اور برابر رہے سیاسی امور میں

اختلاف ہونا اور بات ہے اور سب وشتم ودشنام دہی کا وطیرہ مذموم دوسروں کا ہے یہ رعیہ نہ ان صحابہ کا ہو سکتا تھا اور نہ تھا۔ حضرت علیؓ معصوم نہ تھے ان سے سیاسی معاملات میں متعدد لغزشیں ہوئیں خلوص ونیک نیتی سے ہوئیں، ان کی ذات میں بہت سے اوصاف تھے، بہت سی خوبیاں تھیں مگر خود اعتمادی کا جذبہ کم تھا، اپنی رائے پر دیر تک قائم نہ رہتے ساتھیوں کی رائے سے جلد متاثر ہو جاتے ان میں اس تدبر وثبات واستقلال وقاہرانہ سطوت وآمرانہ دبدبہ کا اگر فقدان نہیں تو نمایاں نقصان تھا جو اس زمانہ کے حکمران میں ہونا ضروری تھے، یوں تو نہج البلاغہ میں اکثر خطبات وضعی ہیں۔ تاہم بعض صحیح کلمات بھی شامل ہیں جو حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں کی مذمت میں کہے ہیں مثلاً ایک موقع پر فرمایا تھا۔

قاتلکم اللہ لقد ملأتم قلبی قیحا وشحنتم صدری غیظا (نہج البلاغہ)	اللہ تم لوگوں کو ہلاک کردے تم نے میرے دل کو (زخم کی) پیپ سے بھر دیا اور میرے سینہ کو غصہ سے۔

دوسری جگہ غالباً ثالثی کے فیصلہ کے بعد فرمایا تھا۔

منیت بمن لا یطیع اذا امرت ولا یجیب اذا دعوت۔	میں ایسے لوگوں میں مبتلا کر دیا گیا ہوں جو نہ کہنا مانتے ہیں نہ پکار کا جواب دیتے ہیں۔

یہ افسوسناک نتیجہ ہوا ان لوگوں پر اعتماد کرنے کا جو لائق اعتماد نہ تھے، پھر ان لوگوں کی ریاکاری ومداہنت سے خود ان کے درجہ ووقار پر بھی اثر پڑا۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے تحکیم کے سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

" ان کی ذات سے ہمدردی رکھنے کے باوجود علیؓ کا پوزیشن اپنے متبعین کی نظروں میں گرتا گیا کیونکہ جو سنگین الزامات ان پر عائد کئے گئے ان سے ان لوگوں پر بھی اثر پڑا جو ان کی موافقت کا رجحان رکھتے تھے۔ (ص۳۸۲ ج۱)

فیصلہ ثالثی کو رد کر دینے کے بعد سے وہ صورت حال رونما ہوئی جس کا ذکر ابن ابی الحدید کی روایتوں میں ہے جو اوپر نقل ہوئیں اس کی تائید مزید ابوجعفر المنصورؒ کی تقریر کے اس فقرے سے ہوتی ہے جس کی تشریح اور توضیح میں یہ الفاظ لکھے گئے۔

حضرت علیؓ زخم کاری لگنے کے بعد ایک دن ایک رات زندہ رہے اپنے بڑے صاحبزادے کو امامت نماز کا حکم دیا لوگوں نے پوچھا ہم ان سے بیعت کرلیں فرمایا نہ میں حکم دیتا ہوں نہ منع

کرتا ہوں، بیٹوں کو وصیتیں کیں واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا آیت تلاوت فرما کر کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ نماز روزہ سے زیادہ افضل لوگوں اور جماعتوں میں صلح مصالحت کرانا ہے۔ ان صلاح ذات البین افضل من عامۃ الصلاۃ والصیام (طبری ص۸۵ ج۶) حضرت علیؓ کی پاکیزہ نفسی کا یہ بین ثبوت ہے کہ آخر وقت جب یہ خیال آیا کہ امت کو کس زبوں حالت میں چھوڑے جا رہے ہیں حضرت حسنؓ کو وصیت کی کہ دیکھنا معاویہؓ کی امارت سے کراہت نہ کرنا (خلافت معاویہؓ ویزید ص۱۹) بالفاظ دیگر اپنے اسی حریف کی اہلیت کا یوں اعتراف کیا جس سے وہ برسر پیکار تھے۔ یہ ہے زبردست مثال صحابی رسول کے خلوص نیت وحق پژوہی کی! اکرم اللہ وجہہ۔

حضرت حسنؓ نے اس وصیت کی جس طرح تعمیل کی ہے سب کو معلوم ہے۔ حضرت حسینؓ نے البتہ موروثی وخاندانی حق خلافت کے نظریہ کو ترک نہ کیا اور جیسا ابتدائی سطور میں کوفیوں سے ان کی خط وکتابت کے اقتباسات سے ثابت ہے وہ اس بات کے برابر منتظر رہے کہ جیسے ہی معاویہؓ کے مرنے کی اطلاع ملے طلب خلافت کا اقدام کریں۔ مدینہ سے مکہ معظمہ چلا جانا موسم حج تک وہاں قیام کرنا ظاہر ہے اسی مقصد سے تھا کہ لوگوں کو اپنے اس اقدام کی تائید پر آمادہ کر سکیں، چنانچہ متعدد صحابہ اور خود ان کے عزیزوں کے اقوال مورخین نے نقل کئے ہیں اور خلافت معاویہؓ ویزیدؒ میں بھی درج ہیں کہ حضرت حسینؓ نے شرکت کرنے کو ان سے بار بار کہا اور اصرار کیا مگر صحابہ کرام اور ان کے صحبت یافتگان یعنی تابعین عظام میں سے ایک فرد نے بھی ساتھ دینا در کنار ان کے غلط اقدام کی زبانی تائید بھی نہ کی بلکہ الٹا ان کو روکا، منع کیا اور نصیحتیں کیں۔ یہ ہے دوسری مثال صحابہ کرام کے موقف کی کہ احکام شریعت کی متابعت میں نہ کسی شخصیت کا کوئی اثر قبول کیا اور نہ موروثی وخاندانی حق خلافت کے نظریہ کی تائید پر آمادہ ہوسکے بلکہ اسی خلیفہ کی بیعت پر مستقیم رہے جس کی بیعت پہلے ہو چکی تھی۔

ایک شیعہ مولف صحابہ کرام کے اس موقف پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

" اہل بیت رسالت اور خاندان نبوت کے ساتھ مسلمانوں کے بے اعتنائی اور کم توجہی ابتدا ہی سے شروع ہوگئی تھی اور باوجود یکہ آنحضرتؐ نے بارہا اپنے اہل بیت کی عزت ومحبت کے متعلق تاکید اور ہدایت فرمائی پھر بھی کلمہ گویان امت کا ان کے ساتھ ایسا سلوک اس قابل ہے کہ اس پر جس قدر تعجب کیا جائے کم ہے۔ . . . . رفتہ رفتہ محبت اہل بیت کے بدلے عداوت

اہل بیت مسلمانوں کے عقیدہ میں داخل ہوگئی بلکہ اس سے آگے قدم بڑھا کر منبروں پر علانیہ سب شتم ہونے لگا۔۔۔۔۔۔ جب حسینؓ نے عراق کی طرف کوچ فرمایا بزرگان و مشاہیر حرمین بخوبی واقف تھے کہ کوفی یقیناً بے وفائی کریں گے، اسی بناء پر ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، ابن عباسؓ، ابوسعید اور ابو واقد وغیرہ نے روکا مگر باوجود اس علم کے ان بزرگان اسلام نے نصرت و معیت سے روگردانی کی۔ اگر عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن جعفر اور جابر انصاری بوجہ نابینائی معذور تھے تو عبداللہ بن حنظلہ عبداللہ بن مطیع، ابوسعید، ابو واقد اور دوسرے حاضرین حرمین کو کونسا امر مانع تھا کہ بدسلوکی یزید کو فرزند رسول کے ساتھ جان کر بھی خاموشی اختیار کی گویا ہلاکت فرزند رسول ان سرداران اسلام کے خیال میں ایک معمولی بات تھی۔ ان کے علاوہ بریدہ بن حصیب اسلمی، مسلمہ بن مخلد انصاری، رافع بن خدیج انصاری، ابوبردہ اسلمی، سعد بن مخرمہ صحابی۔ اسید بن زہیر اوسی، ابوسعید بن معلی انصاری، عرباض بن ساریہ، سائب بن یزید مدنی، سنان بن مسلمہ مصری وغیرہ یہ سب صحابی زندہ موجود تھے، مگر ان حضرات کو ذریت رسول خدا کے دشمنوں کی مدافعت کا خیال بھی نہ آیا۔ دوسرے تابعین شرفائے اسلام کا تو ذکر ہی کیا ہے۔۔۔۔۔ افسوس ہے کہ اس وقت ایسے بھی مسلمان تھے جو اپنے پیغمبر کے نواسہ کا قتل اور اپنے رسول کی ذریت کی ہتک حرمت کو باعث دخول جنت اور موجب ثواب عظیم سمجھتے تھے جس کی نسبت متعدد تاریخی شہادتیں موجود ہیں۔۔۔۔۔۔ ایسے نام نہاد مسلمانوں سے جن کو مسلمان کہنا اسلام کی توہین اور انسان کہنا انسانیت کی تحقیر ہے۔ (مجاہد اعظم ص ۱۴۷ و ۱۵۱)

مولف موصوف جذبۂ عقیدت مندی اور غلوئے مفرط سے ذرا الگ ہو کر حالات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے سکتے تو صحابہ کرام کے اسوۂ حسنہ پر یوں طعن کرنے کا حوصلہ نہ ہوتا، صحابہ حق کو دیکھتے تھے حسب و نسب کو، یا ؏

کہ اندریں رہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اگر دین وہ ہے جو قرآن بتاتا ہے اور اس کی عملی شکل وہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

لہ مسلم کی حیثیت سے تمام مسلمان برابر ہیں، غنی ہوں یا فقیر، قوی ہوں یا ضعیف، چھوٹے ہوں یا بڑے عربی ہوں یا عجمی، مشرقی ہوں یا مغربی۔ انما المومنون اخوۃ فرمان خداوندی ہے۔

پیش فرمائی اور آپ کے خلفاء و صحابہ کرام کی قیادت میں امت نے اس پر عمل کیا تو حضرت حسینؓ کے اقدام کے جواز میں ایک بھی دلیل نہیں دی جا سکتی، اس کے خلاف بیسیوں ناطق دلیلیں ہیں۔ اس امت میں شخص پرستی کی کوئی گنجائش نہیں، یہاں صرف اصول کے تحت بات ہو سکتی ہے امت کے سب افراد کے شہری حقوق یکساں ہیں، کہ و مہ کا، عربی و عجمی کا، ہاشمی و غیر ہاشمی کا کوئی فرق نہ جزا میں ہے نہ سزا میں، نہ دیات میں ہے نہ حدود میں اور نہ سیاسی و معاشی و معاشرتی حقوق میں جو دیت اس چودھویں صدی کے ایک عامی خطا کار مسلمان کے دانت توڑنے کی ہے وہی دیت حضرت صدیق اکبرؓ جیسے اخص الخواص، اکرم الکرماء اور اعظم العظماء کا دانت توڑنے کی بھی تھی۔ اگر فاطمہ مخزومیہ بنت فلاں کا ہاتھ چوری کا جرم ثابت ہونے پر کاٹا جائے گا تو حسب فرمان نبوی ولو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا (اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ چوری کرے تو اس کا بھی ہاتھ یقیناً کاٹ دوں گا) اللھم صل علی محمد الرسول اللہ وخاتم النبیین امت مسلمہ کو فاروق اعظم امیر المومنین صلوات اللہ علیہ کی صریح ہدایت تھی اور یہ ہدایت بھی ان نازک لمحات میں دی تھی جب اپنے رب کے حضور میں جا رہے تھے یعنی جن چھ اصحاب کو خلافت کے لئے نامزد کیا ہے اگر وہ متفق نہ ہو سکیں پانچ ایک طرف ہوں اور ایک دوسری طرف تو اس ایک کو قتل کر دیا جائے، اگر چار ایک طرف ہوں اور دو دوسری طرف تو ان دو کو قتل کر دیا جائے گویا حضرت فاروق کے نزدیک حضرت عثمانؓ و علیؓ و طلحہؓ و زبیرؓ و سعد بن ابی وقاصؓ و عبدالرحمن بن عوفؓ جیسے عظماء ملت میں کسی ایک دو کا قتل ہو جانا کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا بلکہ امت کو اختلال سے انتشار سے محفوظ رکھنے کے لئے واجب تھا۔

اس کے بعد بھی امت کے سامنے نظیر موجود تھی۔ اگر متفق علیہ خلیفہ راشد کو ظلماً قتل کر کے باغیوں کی کوشش و حمایت سے کسی شخص کی خلافت کا اعلان کیا جائے اور قاتلین سے قصاص جو شرعاً واجب تھا نہ لیا جائے بلکہ طاقت کے بل پر اس کا دلیل ڈالی جائیں تو اس شخص کی خلافت تسلیم نہیں کی جائے گی، اگر اپنی خلافت منوانے کے لئے وہ قتال پر آمادہ ہو اس سے قتال کیا جائے گا اگرچہ وہ ابن عم و داماد رسول اللہ علی بن ابی طالب ہی کیوں نہ ہوں۔ ان نظائر کی اور صریح احکامات شرعیہ کی موجودگی میں یہ تصور قائم کرنا کہ فلاں خروج کرنے والے کا صحابہ کرام نے اس کے نسب کا خیال کر کے ساتھ کیوں نہ دیا اور فلاں خلیفہ جس کی بیعت خلافت صحابہ و تابعین اور جمہور امت بلا جبر و اکراہ کر چکے تھے، وہ اس خروج کرنے والے کا مقابلہ کرنے یا کرانے سے فاسق و مرتد ہو گیا

کہاں کی دیانت کہاں کا انصاف ہے۔

تاریخی شخصیتیں اور جھوٹی روایتیں

اوائل اسلام کی خانہ جنگیوں وحادثہ کربلا کے بعد جو گروہ بندیاں سیاسی مقاصد سے وجود میں آئیں مخالف گروہ پر الزام تراشی کی غرض سے جھوٹی روایتیں اور حدیثیں وضع ہونے لگیں صرف دو صدیوں کے اندر یہ بہتات کا یہ عالم ہوا کہ امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے چھ لاکھ حدیثوں وروایتوں کے انبار میں سے جو سولہ برس کی مدت میں انہوں نے فراہم کیا تھا اپنے اصول کے مطابق صرف (۷۲۶۱) منتخب کیں اور امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ نے تین لاکھ میں سے چار ہزار۔ باقی آٹھ لاکھ ترانوے ہزار سے زائد کو وضعی اور غیر معتبر قرار دیکر ترک کر دیا۔ بڑا حصہ ان روایتوں اور حدیثوں کا وضعین نے مخالف گروہ اور ان کے سربرآوردہ اشخاص کی مذمت اور اپنے گروہ اور ممتاز اشخاص کی مدح ومنقبت میں تراشا جو متاخرین کے حصہ میں آیا۔ غالی مصنفین ابو مخنف لوط بن یحییٰ کوفی متوفی ۱۵۷ھ و محمد بن سائب کوفی اس کے بیٹے ہشام کوفی متوفی ۲۰۶ھ اور دوسرے اسی قماش کے مولفین نے تقریباً سو کتابیں خانہ جنگیوں اور مقتل عثمانؓ و مقتل حسینؓ پر لکھیں۔ ابن جریر طبری کا اصل ماخذ زیادہ تر یہی وضعی روایات ہیں، اس طرح اس شر انگیز لٹریچر کی اشاعت ہوئی۔ امام بخاری ویحییٰ ابن معین وغیرہ محققین نے احادیث و روایات کے اسناد پر سخت محنت کی مگر داخلی شہادتوں کا تنقیدی جائزہ لینے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ متاخرین آنکھ بند کرکے متضاد و متناقص روایتوں کو خاص کر بنی امیہ کی تنقیص میں نقل در نقل کرتے رہے۔

عموماً کہا جاتا ہے کہ بنی امیہ اسلام سے بے خبر بلکہ دشمن تھے۔ فتح مکہ کے بعد سیاسی قوت کے دباؤ سے مسلمان ہوئے تھے۔ واقعات سے اس غلط الزام کی کامل تردید ہو جاتی ہے — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے تیرہ برس مکہ معظمہ میں تبلیغ دین کی تھی۔ اس عرصہ میں ہاشمی خاندان میں صرف تین اشخاص یعنی دو مرد اور ایک خاتون آبائی مذہب ترک کرکے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے[1]۔ ہاشمی گھرانے کے ان تین اشخاص کے برخلاف بنی امیہ

[1] حضرت علیؓ کا شمول اس فہرست میں اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اول تو وہ پانچ برس کے بچے تھے پھر
(بقیہ اگلے صفحہ پر)

میں سے دس اشخاص نے ابتدائے ظہور اسلام میں دین حقہ قبول کیا تھا بایں تفصیل:۔

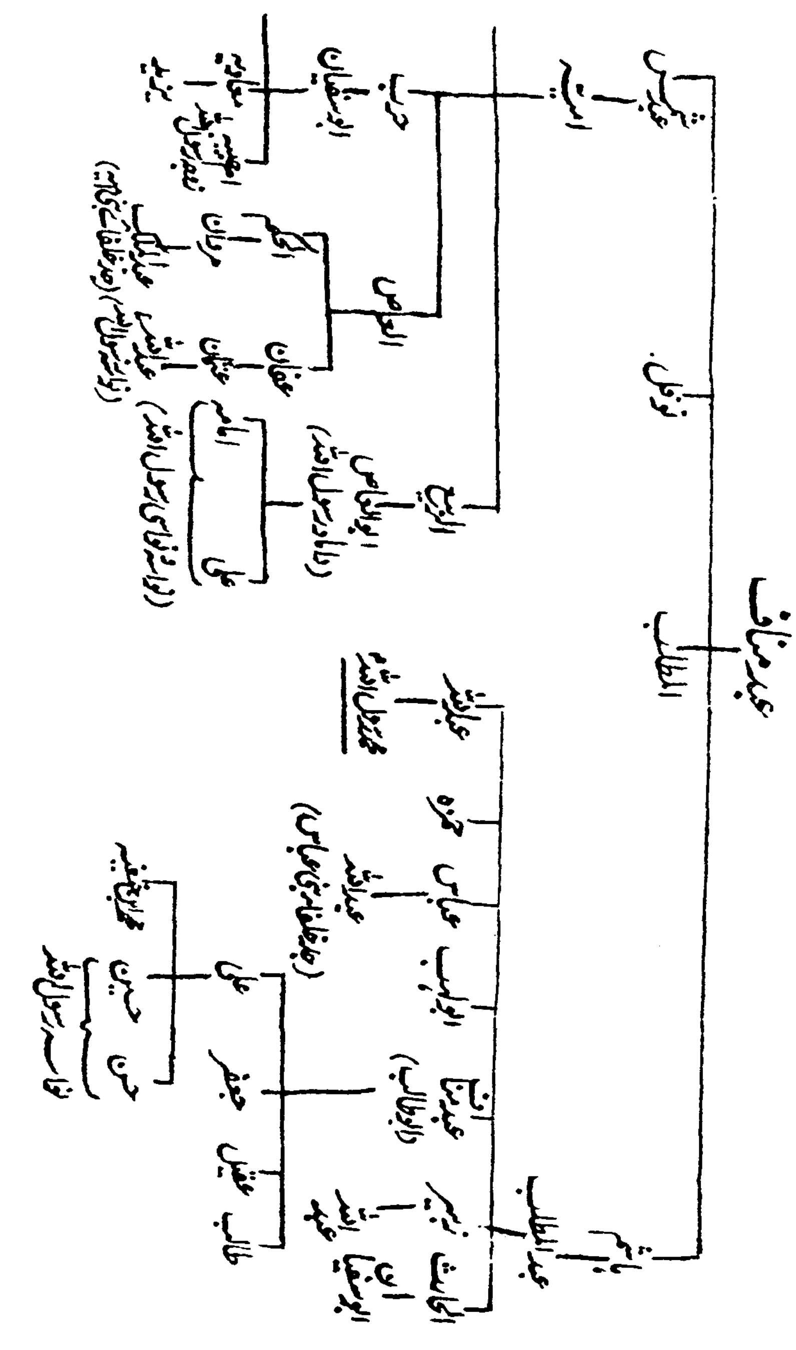
۱ - افراد خاندان بنی ہاشم:- (۱) حضرت حمزہؓ (۲) حضرت جعفرؓ (۳) حضرت ام الفضل زوجہ عباسؓ۔

۲ - " " :- بنی امیہ (۱) حضرت عثمانؓ (حبشہ ومدینہ کو دو ہجرتیں کیں)
(۲) حضرت ابوحذیفہؓ جو افاضل صحابہ میں سے قدیم الاسلام تھے اور جنگ بدر میں اپنے باپ عتبہ بن ربیعہ سردار لشکر قریش اور اپنے بھائیوں کے خلاف نبرد آزما ہوئے تھے۔
(۳) حضرت خالد بن سعید بن العاص بن امیہ (قبول اسلام میں تیسرے یا چوتھے یا پانچویں فرد تھے حبشہ ومدینہ کو ہجرتیں کیں)
(۴) حضرت عمرو بن سعید اموی (بدری صحابی تھے)
(۵) حضرت عبداللہ الحکم بن سعید اموی (بدر میں لشکر کفار سے جہاد کرکے شہید ہوئے۔)
(۶) حضرت ابان بن سعید اموی (یوم طائف میں شہید ہوئے)
(۷) ام المومنین ام حبیبہ بنت ابوسفیانؓ قدیمہ الاسلام تھیں حبشہ کو ہجرت کی تھی)
(۸) حضرت سمرہ بن حبیب بن عبد شمس (سابقون الاولون میں سے تھے)
(۹) ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط اموبہ قدیمہ الاسلام تھیں)
(۱۰) والدہ عثمانؓ بن کریز اموی (اسلام کی خاطر بڑے دکھ سہے تھے کانت تعذب فی اللہ)

یہ حالت وکیفیت تو زمانہ ما قبل ہجرت کی تھی، ہجرت کے بعد اس خاندان کے اور افراد داخل اسلام ہوتے گئے۔ (یدخلون فی دین اللہ افواجا) اور فتح مکہ سے پہلے حضرت ابوسفیانؓ اور ان سے قبل ان کے صاحبزادگان نے اسلام قبول کیا، جنہوں نے کیسی کچھ شاندار خدمات دین وملت کی انجام دیں۔

بنی امیہ وبنی ہاشم ایک ہی خاندان بنو عبد مناف کی دو شاخیں ہیں۔ ذیل کا مختصر شجرہ ملاحظہ ہو:۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں ہونے کی وجہ سے کفر کی حالت پر کبھی نہ تھے جس کے ترک کرنے کا سوال پیدا ہوتا اور حضرت خدیجہؓ ایمان کی صاحبزادیوں کا۔



خاندان نبوت یعنی بنو عبد مناف کی دونوں شاخوں ہاشمی واموی کے ممتاز تاریخی شخصیتوں کا مختصر حال اس کتاب کے بعض مطالب کی وضاحت کے لئے مناسب اور ضروری ہے جو ذیل میں درج ہے۔

عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب کے والد ہاشم تو ان کے بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔ چچا عبد المطلب نے یتیم بھتیجے کی پرورش کی بالغ ہو کر قوت بازو سے سوسائٹی میں اچھی حیثیت پیدا کرلی، کئی شادیاں کیں اولاد میں گیارہ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں بیٹوں میں الحارث سب سے بڑے تھے، ان کی نسل کے لوگ زیادہ تر ملک شام میں رہے۔ مقوم عبد الکعبہ (جو لوگ عبد المطلب کے بارہ بیٹے بتاتے ہیں وہ عبد الکعبہ کو جداگانہ سمجھتے ہیں) قثم، حجل الغیداق ضرار سے نسل نہیں چلی اس لئے مندرجہ بالا شجرہ میں ان کے نام ترک کئے گئے۔ حضرت حمزہؓ کے بھی اولاد ذکور نہ تھی۔ عبد المطلب اور حضرت معاویہؓ کے دادا حرب بن امیہ آپس میں ندیم یعنی بڑے گہرے دوست تھے۔

زبیر بن عبد المطلب۔ عبد المطلب کی وفات کے وقت ان کے نو بیٹے زندہ تھے جن میں سب سے بڑے زبیر تھے، وہی قریش کے دستور کے مطابق اپنے والد کے جانشین ہوئے اور انہی کو عبد المطلب نے اپنا وصی بھی کیا تھا۔

والزبیر وکان شاعراً شریفاً والیہ اوصی عبد المطلب۔ (طبقات ابن سعد ص ۴۳ ج ۱)	اور زبیر شاعر اور باعزت شخص تھے اور انہی کو عبد المطلب نے اپنا وصی کیا تھا۔

زبیر و ابوطالب اور عبداللہ والد ماجد آنحضرت صلعم یہ تینوں ایک ماں سے حقیقی بھائی تھے ان میں بڑے زبیر تھے جو اپنے زمانہ میں قبیلہ قریش کے معزز سرداروں میں سے تھے۔

فاما الزبیر بن عبد المطلب فکان اشراف قریش ووجوھا۔ (شرح ابن ابی الحدید)	لیکن زبیر بن عبد المطلب تو وہ قریش کے معزز و باوقار سرداروں میں سے تھے۔

قدیم ترین مورخ ابو جعفر محمد بن حبیب متوفی ۲۴۵ھ مولف کتاب المحبر نے الحکام من قریش ثم من بنی ہاشم کے تحت عنوان قریش کے تمام خاندانوں میں سے جو لوگ اپنے وقت میں سردار اور حاکم رہے ان کی فہرست درج کی ہے، بنی ہاشم میں سے عبد المطلب

کے بعد زبیر بن عبد المطلب کے اور زبیر کے بعد ان کے چھوٹے بھائی ابو طالب کے اور بنی امیہ میں سے حرب بن امیہ اور ان کے بعد ابو سفیان بن حرب کے نام درج کئے ہیں۔ (ص ١٣٢)

حرب الفجار کی مشہور جنگ میں جب تمام قریشی خاندانوں کے سردار شریک تھے زبیر بن عبد المطلب ہاشمی خاندان کے سردار کی حیثیت سے موجود تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کے ساتھ تھے تیر اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے اس وقت سن شریف اٹھارہ بیس برس کا تھا یا اس سے زائد تھا اسی طرح "اشراف قریش" کے زیر عنوان یہ بتا کر حرب بن امیہ کے انتقال کے بعد بنو عبد مناف میں جب سرداری کے عہدوں کا بٹوارہ ہوا تفرقت الریاسة والشرف فی بنی عبد مناف تو ہاشمی خاندان میں یکے بعد دیگرے یہ لوگ سردار ہوئے۔ الزبیر، ابو طالب، حمزہ و العباس بنو عبد المطلب (ص ١٢٥)

زبیر اپنے زمانہ کے بڑے تاجر اور صاحب ثروت شخص تھے ھو من فتیان قریش۔ (کتاب المحبر ص ١٤٦) یعنی وہ قریش کے بہادر و سخی جوانمردوں میں سے تھے) اسی کے ساتھ بڑے رحیم و کریم و انصاف پرور تھے، مظلوموں کی امداد و دادرسی کے بعض واقعات کے سلسلے میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ اپنے والد کی حیات میں ایک مظلوم کو جس پر حرب بن امیہ نے سختی کی تھی اپنے گھر لے آئے اور پناہ دی، صبح کو اپنے بھائی الغیداق کے ساتھ اس پناہ گیر کو کعبہ میں لے گئے اور حرب بن امیہ سے اس کا معاملہ طے کرایا۔ معاملہ نے جب طول کھینچا سب بنو عبد المطلب زبیر کی مدد کو تیغ بکف موجود رہے۔ فانضم بنو عبد المطلب الی الزبیر وقفوا علی باب ابیھم بأیدیھم سیوفھم (شرح ابن ابی الحدید) ان کی بہن صفیہؓ بنت عبد المطلب نے ان کا جو مرثیہ کہا ہے اس کے اس شعر میں ان کو نبیل الخیر اور ذی کرم کہا ہے ؎

ابکی زبیر الخیر اذ فات ان ‌ ‌ ؛ ‌ ‌ کنت علی ذی کرم باکیہ

عبد المطلب کو اپنے اس نیک صفات اور پاکیزہ خصلت فرزند پر فخر و ناز ہونا بجا تھا۔ مرتے وقت انہی کو جانشین کیا، زبیر کی رحم دلی اور انصاف پروری کا تاریخی ثبوت حلف الفضول ہے یعنی مظلوموں کی حمایت اور عدل و انصاف کرنے کا وہ معاہدہ و حلف ہے جو قریشی خاندانوں اور قبیلوں میں سے بنو ہاشم و بنو المطلب و بنو اسد و بنو تیم و بنو زہرہ نے انہی کی

تحریک پر آپس میں عبد اللہ بن جدعان کے گھر اکٹھا ہو کر کیا تھا کہ ہم مکہ میں کسی پر ظلم نہ ہونے دیں گے خواہ اپنا ہو یا غیر، آزاد ہو یا غلام اس کا حق اسے دلوائیں گے۔ فتحالفوا ان لا یظلم بمکة غریب ولا قریب ولا حر ولا عبد الا کانوا معه حتی یاخذ واله حقه ویردوا الیه مظلمه من انفسھم ومن غیرھم (شرح ابن ابی الحدید) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر اپنے چچا کے ساتھ موجود تھے اور آپ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ آج بھی ایسا کوئی معاہدہ کیا جانے لگے جو میرے چچا نے کیا تھا میں شامل ہونے کو موجود ہوں سن شریف اس وقت آنحضورؐ کا بروایات مختلفہ اٹھارہ برس سے بیس برس کا بتایا گیا ہے ابن ابی الحدید نے پچیس سال کا سن بتایا ہے اور لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یومئذ معھم وھو شاب ابن خمس وعشرین سنة بعض نے پندرہ سولہ برس کی عمر بتائی ہے۔ تاریخ میں یہ معاہدہ حلف الفضول[1] سے موسوم ہے۔

زبیر کو اپنے چھوٹے متوفی بھائی عبد اللہ کی نشانی اور ان کے اکلوتے فرزند حضرت محمدؐ سے غیر معمولی محبت تھی، گودوں میں لئے پھرتے، ہاتھوں پر جھلاتے اور ایک لوری گنگناتے جاتے :-

یقال ان الزبیر بن عبد المطلب کان یرقص النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو صغیر ویقول :-	کہتے ہیں کہ زبیر بن عبد المطلب نبی صلعم کو جب وہ چھوٹے بچے تھے جھلایا کرتے تھے اور کہتے جاتے تھے :-

---

[1] وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے پہلے تین سرداروں نے جن کے نام فضیل و فضال اور مفضل تھے اسی قسم کا معاہدہ کیا تھا دوسرے یہ کہ شرکائے معاہدہ نے اپنے اموال کا زائد حصہ یعنی یہ فضول موالہم، ضیافت میں صرف کیا تھا وجہ تسمیہ کچھ بھی ہو اس کے محرک و داعی اول زبیر بن عبد المطلب تھے واول من دعی الیه الزبیر بن عبد المطلب ای عم رسول اللہ صلعم وشقیق ابیه (سیرۃ الحلبیہ ص ١٤٣ ج ١) کہتے ہیں ولید بن عتبہ بن ابو سفیانؓ اور حسین بن علیؓ میں کسی معاملہ میں تنازعہ تھا۔ حضرت حسینؓ نے اسی حلف الفضول کی رو سے معاملہ طے کرانے کے لئے مسجد نبوی میں اعلان کرنے کو فرمایا تھا مگر اس سے پہلے ہی تصفیہ ہو گیا تھا۔

محل بن عبد م عشت بعیش النعم	یہ محمد میرے عبد اللہ کی نشانی ہے
فی عز فرع اسنم	بڑے عیش و آرام سے جئے اور بڑی اعلیٰ عزت و
(الاصابہ صفحہ ۳۰ ج ۲)	توقیر پائے۔

اپنے دادا کے انتقال کے بعد سے آنحضور اپنے ان ہی چچا زبیر بن عبد المطلب کی کفالت میں رہے، انہوں نے اور ان کی زوجہ عاتکہ[1] بنت ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم نے اپنے بچوں سے زیادہ محبت و شفقت سے آپ کی پرورش کی۔

زبیر بن عبد المطلب کی اولاد میں چار بیٹیاں تھیں صفیہ و ام الزبیر و ضباعہ اور ام الحکم اور چار ہی بیٹے تھے محل و قرہ و الطاہر و عبد اللہ۔ یہ عبد اللہ بن زبیر بن عبد المطلب عہد رسالت میں جوان تھے، آپ کی وفات کے وقت تیس برس کی عمر تھی، آپ کی خدمت میں آتے آپ ان کو اپنے پہلو میں بٹھاتے بڑی شفقت سے فرماتے کہ یہ میرا بھائی میری ماں کا بیٹا ہے اس کے باپ نے مجھ سے بڑا نیک سلوک کیا تھا۔ انہ ابن امی وکان ابوہ بی برا (الاصابہ ایضاً)

---

[1] زبیر بن عبد المطلب کی زوجہ عاتکہ جن کو آنحضور نے میری ماں! فرمایا تھا رسول اللہ صلعم کی حقیقی دادی فاطمہ بنت عمرو کی حقیقی بھتیجی اور حضرت علیؓ کے بہنوئی یعنی ام ہانی بنت ابو طالب کے شوہر ہبیرہ بن ابی وہب کی حقیقی بہن تھیں (کتاب نسب قریش صفحہ ۳۴۳)

[2] حضرت عبد اللہ بن زبیر بن عبد المطلب رسول اللہ کے چچیرے بھائی اور صحابی بڑے جانباز مجاہد تھے غزوہ حنین میں اپنے چچا حضرت عباسؓ کے ہم پہلو ثابت قدم رہے۔ اجنادین کے معرکہ ۱۳ھ میں دس رومی عیسائی فوجیوں کو قتل کر کے شہید ہوئے اکثر نسابین نے زبیر بن عبد المطلب کو لاعقب لہ لکھا ہے یعنی ان سے نسل باقی نہ رہی مگر ان عبد اللہ بن زبیر بن عبد المطلب سے مخدوم شرف الدین یحییٰ منیریؒ صوبہ بہار کا سلسلہ نسب متصل ہوتا ہے ان کی نسل میں سید احمد شہید بریلویؒ کے ممتاز رفقاء اور مجاہدین یعنی مولانا ولایت علی و مولانا عنایت علی و فرحت حسین کا خانوادہ ہے۔ مولانا عنایت علی کے ایک بیٹے عبد الکریم کی اولاد قبائلی سرحدی علاقہ میں رہی جہاں معرکہ جہاد ہوا تھا دوسرے شمس العلماء مولوی محمد حسن بانی محمڈن اینگلو عربک اسکول پٹنہ تھے اور مولانا عنایت علی کے پوتے پروفیسر محمد مسلم بن محمد یوشع ہیں جو مصنف بھی ہیں اور شعر گوئی کا ستھرا مذاق رکھتے ہیں۔ فرحت حسین کے فرزند عبد الرحیم تھے جنہوں نے اپنے زبیری ہاشمی خاندان اور ان کے قرابتداروں کے انساب میں تصنیف کی تھی۔

زبیر بن عبد المطلب کی ایک بیٹی حضرت ضباعہؓ المقداد بن عمرو البہرانی کو بیاہی تھیں ان کے بیٹے عبد اللہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ طالبان قصاص خون عثمانؓ میں بصرہ گئے تھے اور جنگ میں شہید ہوئے، دوسری حضرت صفیہؓ تھیں جن کو آنحضرت صلعم خیبر کی پیداوار میں سے چالیس وسق دیا کرتے تھے (الاصابہ صفحہ ۳۴۱ ج ۴) اسی طرح اپنی تیسری چچیری بہن حضرت ام الزبیرؓ کو آنحضرت صلعم چالیس وسق پیداوار خیبر میں سے دیتے تھے چوتھی حضرت ام الحکمؓ اپنے ہاشمی خاندان میں اپنے ابن عم ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب کو بیاہی گئیں ان کو بھی خیبر کی پیداوار میں سے دیا جاتا تھا اور آنحضور اپنی ان چچیری بہن کے گھر ان سے ملنے تشریف لے جایا کرتے تھے (الاصابہ صفحہ ۴۴۳ ج ۴) آنحضور صلعم کی یہ چاروں بہنیں جن کے ساتھ ایک ہی گھر میں آنحضور بچپن اور آغاز شباب تک رہے تھے اسلام لائیں اور صحابیہ تھیں آپ ان سے صلہ رحمی کا سلوک کرتے رہے۔ ام الحکمؓ کے فرزند حضرت عبد المطلب بن ربیعہؓ کا تذکرہ اس کتاب میں بزمرۂ تذکرہ صحابہ ملاحظہ ہو۔ اپنے اس بھانجے کی شادی آنحضور نے اپنے اہتمام سے اپنے چچیرے بھائی کی بیٹی سے کرائی تھی۔

زبیر بن عبد المطلب کے چار بیٹوں میں سے حضرت عبد اللہؓ کا مختصراً ذکر آچکا۔ دوسرے بیٹے الطاہر کے بارے میں ابن ابی الحدید نے کہا ہے کہ وہ مکہ کے بڑے ظریف و خوش طبع نوجوانوں میں سے تھے اور جوانی میں فوت ہو گئے تھے آنحضور نے اپنے اس چچیرے بھائی کے نام پر اپنے ایک صاحبزادہ[1] کا نام طاہر رکھا تھا۔ وبہ سمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابنہ الطاهر (شرح ابن ابی الحدید) اور آنحضور کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے اپنے بیٹے زبیر بن العوامؓ کا نام اپنے بھائی زبیر بن عبد المطلب کے نام پر رکھا اور ان کی کنیت بھی ابو طاہر رکھی جو کچھ مدت تک باقی رہی۔ فکانت صفیة بنت عبد المطلب تکنی ابنها الزبیر بن العوام ابا الطاهر بکنیة اخیها (شرح ابن ابی الحدید) ان حالات سے ظاہر ہے کہ زبیر بن عبد المطلب اپنی نیک خصلت اور عمدہ صفات کے اعتبار سے اپنے اہل خاندان اور

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادہ کا نام قاسم تھا جن کے نام آپ کی کنیت ابو القاسم تھی دوسرے جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ان کا نام ابراہیم تھا۔ تیسرے صاحبزادہ کا نام البتہ متقدمین نے عبد اللہ و الطاہر لکھا ہے۔

قرابتداروں میں کتنے عزیز و محبوب تھے۔

زبیر بن عبد المطلب کی وفات کب ہوئی اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، اس میں توسب کا اتفاق ہے کہ حلف الفضول کے کچھ عرصہ بعد فوت ہوئے ان کے انتقال کے وقت آنحضرت صلعم کا سن شریف آیا سولہ کا تھا یا اٹھارہ بیس کا یا جیسا ابن الحدید نے لکھا ہے کہ حلف الفضول کے وقت آپ پچیس برس کی عمر کے تھے اس میں البتہ اختلاف ہے۔ لیکن یہ بات بہرحال ثابت ہے کہ زبیر بن عبد المطلب کی وفات کے وقت آپ سن بلوغت کو پہنچ گئے تھے۔ اور کسی دوسرے چچا کی کفالت اور پرورش سے مستغنی تھے۔

ابوطالب۔ نام عبد مناف تھا، کنیت بڑے بیٹے طالب کے نام سے ابوطالب تھی۔ خاندانی رواج کے مطابق اپنے بڑے بھائی زبیر کے مرنے کے بعد سردار خاندان ہوئے، مالی حالت بہت کمزور تھی۔ ساد ابو طالب وھو فقیر لا مال لہ (شرح ابن ابی الحدید) یعنی ابوطالب جب سردار خاندان ہوئے فقیر تھے، مال ان کے پاس نہ تھا، ان کے چھوٹے بھائی عباسؓ جو مرفہ الحال اور مالدار تھے، سقایہ و رفادہ خاندانی عہدوں کو جنھیں ہر سال مال خرچ کرنا پڑتا تھا انجام دیتے تھے۔ مالی کمزوری کے ساتھ ابوطالب کو جسمانی کمزوری بھی تھی، قریش کا ذریعہ معاش تجارت تھا جس کے لئے دور دراز ملکوں کا سفر کرنا پڑتا تھا اس زمانہ میں اور عرب جیسے ملک میں جہاں راستے خطرناک تھے ڈاکوؤں کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا، سفر بصورت سفر تھا۔ تومند اور صحیح الاعضاء اشخاص ہی طویل سفر کر سکتے تھے، وہ بھی جریدہ نہیں، تجارتی قافلوں میں، ابوطالب لنگ کے نقص[1] کی وجہ سے طویل سفر کی زحمت کیونکہ اٹھاتے، وہ خوشبوؤں کو اپنے یہاں تیار کراتے اور قریب کے بازاروں میں فروخت کرتے کبھی گندم کی خرید و فروخت کر لیتے لیکن دور کے ملکوں میں جانا اور سال میں دو مرتبہ پھر مہینوں سفر میں گزارنے ان کے بس کے نہ تھے۔ یہ حالت ان کی اپنے والد عبد المطلب کے سامنے سے تھی، شاید یہی وجہ ہو کہ ان کا نام عبد المطلب کے زمانے

---

[1] ابن قتیبہ نے المعارف میں قریش کے مختلف خاندانوں کے صدہا اشخاص کی فہرست جداگانہ عنوانات کے تحت درج کی ہے یعنی جس میں کوئی جسمانی نقص تھا ان کے نام یکجا لکھے ہیں۔ العرج (لنگڑے) کے سرفہرست ابوطالب عم رسول اللہ کا نام درج کیا ہے (المعارف صفحہ ۲۵۲) جو اس امر کی صاف دلیل ہے کہ ان میں یہ جسمانی نقص زیادہ تھا۔ ابن قتیبہ نے ابوطالب کی خوشبوؤں وغیرہ کی تجارت کا بھی ذکر کیا ہے۔

کے واقعات کے یا زبیر کے حالات کے سلسلہ میں کہیں نہیں ملتا، نہ عہد جاہلیت کے وقائع حرب فجار وغیرہ کے سلسلہ میں ان حالات کے پیش نظر یہ تصور کہ عبد المطلب نے مرتے وقت جس بڑے زبیر بیٹے کو اپنا جانشین بنایا تھا جو صفات حسنہ کے اعتبار سے اہل خاندان کو عزیز تھا سوسائٹی میں جس کا بلند مقام تھا اور اپنے بھتیجے حضرت محمدؐ سے جس کو بڑی انس و محبت تھی اس کے بجائے چھوٹے بیٹے ابوطالب کو جس کی مالی حالت بہت کمزور تھی جسمانی معذوری بھی تھی اس وقت تک سوسائٹی میں جس کا کوئی بلند مقام بھی نہ تھا اس کو اپنے یتیم پوتے کی کفالت سپرد کر دی جس سے عبد المطلب کو ایسی محبت تھی کہ عشق کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ اکثر متقدمین نے اس سلسلہ میں حسب ذیل باتیں کہی ہیں:-

(۱) عبد المطلب نے پوتے کی کفالت و پرورش کے لئے زبیر اور ابوطالب اپنے دو بیٹوں کے درمیان قرعہ ڈالا جو ابوطالب کے نام نکل آیا۔ فخرجت القرعۃ لابی طالب اس لئے انہوں نے آنحضورؐ کی پرورش کی۔

(۲) زبیر اور ابوطالب دونوں نے مل کر پرورش کی۔ مات عبد المطلب کفلہ عماہ شقیقا ابیہ الزبیر وابو طالب۔

(۳) زبیر کی وفات کے بعد ابوطالب نے تنہا پرورش کی اس وقت آنحضرت صلعم کی عمر چودہ برس کی تھی ہمات عمہ الزبیر ولہ من العمر اربع عشرۃ سنۃ فالفرد بہ ابوطالب (سیرۃ الحلبیہ صفحہ ۱۳۶ ج ۱)

یہ تینوں باتیں صحیح نہیں۔ پہلی دو تو زبیر بن عبد المطلب کے مندرجہ بالا حالات کے پیش نظر لائق اعتنا نہیں، عبد المطلب سے اپنے دونوں بیٹوں کی حالت پوشیدہ نہ تھی، قرعہ تو ان میں ڈالا جاتا ہے جن کی حالت ہر اعتبار سے مساوی ہو، پھر دونوں کا مشارکت باہمی سے کفالت کرنا اور بھی مہمل ہے۔ رہی تیسری بات کہ زبیر کی وفات کے وقت آپ کی عمر چودہ برس کی تھی اس لئے ابوطالب نے بھائی کے مرنے کے بعد آپ کی کفالت کی۔ زبیر کی وفات حلف الفضول کے کچھ عرصہ بعد ہوئی تھی اور حلف الفضول حرب الفجار کے کچھ عرصہ بعد ہوا تھا یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلہ میں ہوئی تھی، قریش کے سب خاندانوں کے سردار اپنے اہل خاندان کی فوجیں لے کر معرکہ میں شریک ہوئے تھے بنی ہاشم کے سردار اور علم بردار زبیر بن عبد المطلب تھے آنحضرت صلعم اپنے چچا کے ساتھ تھے۔ امام سہیلی نے تصریح کی ہے کہ اس وقت آپ لڑائی

کی عمر کو پہنچ چکے تھے جو اٹھارہ بیس برس کی ہوتی ہے۔ مگر آپ نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا۔ ابو طالب کا نام اس لڑائی کے سلسلے میں یا کسی اور معرکہ کے سلسلے میں شاید ان کی جسمانی معذوری کی وجہ سے نہیں ملتا۔ امام سہیلی فرماتے ہیں:

وانما لم یقاتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اعمامہ فی الفجار وقد بلغ سن القتال۔	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑائی میں اپنے چچوں کی معیت میں حصہ نہیں لیا حالانکہ آپ لڑائی کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔

ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ حلف الفضول کے وقت آپ کا سن شریف پچیس برس کا تھا۔ بہر حال ۲۵ برس کا سن تھا یا اٹھارہ بیس برس کا، آپ اس عمر کے تھے کہ زبیر بن عبدالمطلب کی وفات کے بعد کسی دوسرے چچا اور رشتہ دار کی کفالت سے مستغنی ہو چکے تھے۔ منشاء الٰہی بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ خالق اکبر نے سید الوجود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام عالم کی رہنمائی ہدایت، عالمگیر دین کی تبلیغ اور ایک شریعت کبریٰ کی تاسیس کے مقصد عظیم کے لئے فطرت سلیم پر خلق فرمایا، قلب مصفیٰ و مزکیٰ کو حکمت بالغہ سے ان تمام اثرات و میلانات و رجحانات باطلہ سے پاک صاف رکھنے کا اہتمام کیا جو زمانہ طفولیت و بدو شعور سے ماں باپ اور بزرگوں کے آغوش محبت و پرورش سے دل و دماغ پر غیر شعوری طور سے مرتسم ہو جاتے ہیں۔ ولادت باسعادت سے تین ماہ پہلے ہی والد کی وفات ہو گئی، چھ برس کے تھے کہ آغوش مادر سے جدائی ہوئی، آٹھ برس کی عمر میں مشفق دادا (عبدالمطلب) کی شفقت سے محرومی ہوئی پھر جب وہ عمر آئی کہ طبع انسانی قدرتاً غور و تفکر کی جانب مائل ہوتی ہے، شفیق چچا (زبیر بن عبدالمطلب) سے جدائی کرا دی گئی جنہوں نے دادا کے بعد بڑی محبت سے پرورش و کفالت کی تھی غرضیکہ منصب نبوت پر فائز ہونے سے قبل ہی ان سب عزیزوں بزرگوں سے دائمی جدائی ہو جانا اور کسی ایک کا بھی ان میں سے عہد رسالت میں موجود نہ رہنا جنہوں نے زمانہ طفولیت و ایام بلوغت میں کفالت و پرورش کی تھی اس حقیقت کا مزید اشارہ ہے کہ اسلام کی عالمگیر دعوت نہ کسی مخصوص خاندان سے وابستگی و محبت کی مکلف ہے اور نہ نبی کریم کے ماسوائے کسی اور ذات سے نسبی رشتہ و قرابت لحمی کے بجائے قربت روحانی و رشتہ دینی ہی کو ترجیح ہے، بچپن سے لیکر نبوت کے منصب جلیل و عظیم کی ذمہ داری سپرد ہونے تک کے حالات شاہد ہیں کہ آباء و اجداد کے معتقدات کے میلانات سے کس کس طرح آپ کو محفوظ رکھا گیا چنانچہ فرمایا گیا وَ وَجَدَکَ

ضَآلًّا فَھَدٰی (تم کو تلاش حق میں سرگرداں پایا راہ ہدایت کی رہنمائی) آل ابی طالب کے بارے میں آپ ہی کا ارشاد باسناد صحیحہ منقول ہے جسے امام ابن تیمیہؒ نے بھی منہاج السنہ میں استدلالاً پیش کیا کہ آل ابی طالب ہی میرے دوست و ولی نہیں ہر متقی مومن میرا دوست و ولی ہے۔

عمدۃ الطالب کے شیعہ مولف و نسابہ نے صراحتاً بیان کرتے ہوئے کہ زبیر و ابو طالب و عبداللہ والد ماجد آنحضرتؐ یہ تینوں ماں جائے بھائی تھے لکھا ہے کہ زبیر کی نسل کا ختم ہو جانا ابو طالب اور ان کی اولاد کے لئے فضیلت عظمیٰ کا موجب ہوا۔ فرماتے ہیں:

وقد انقرض الزبیر وحصل لہ فضیلۃ عظیمۃ اختص بہا ابو طالب و ولدہ دون باقی بنی عبدالمطلب (ص۶)	اور زبیر کی تو نسل ہی ختم ہو گئی اور یہ (واقعہ) ابو طالب اور ان کی اولاد کے حق میں بمقابلہ بقیہ اولاد عبدالمطلب عظیم فضیلت ہے جس سے وہ مخصوص کئے گئے۔

ان شیعہ مورخ کے نزدیک ابو طالب کے حقیقی بڑے بھائی زبیر کی نسل کا ختم ہو جانا اگر آل ابی طالب کے فضیلت عظیمہ بھی سمجھی جائے تب بھی عہد رسالت میں تو یہ فضیلت عظیمہ نہیں حاصل نہیں ہوئی کیونکہ اس زمانہ میں زبیر کی اولاد موجود تھی اور اس وقت بھی جب ابو طالب کا انتقال ہو گیا اور دنیا میں ان کا وجود بھی باقی نہ رہا، زبیر کے بیٹے بیٹیاں سب موجود تھے زبیر ہی کے تو یہ فرزند عبداللہؓ تھے، جن کو آنحضورؐ ابن اُمّی (میری ماں کا بیٹا) فرماتے ان سے اور ان کی بہنوں سے مشفقانہ سلوک کرتے پھر عہد رسالت کے بعد بھی زبیر کی نسل باقی رہی یہ دوسری بات ہے کہ سیاسیات ملیہ میں نمایاں حصہ نہ لینے کے باعث غیر معروف رہی اور اسی بنا پر بعض مصنفین نے ان کا ذکر ترک کر دیا۔ علامہ شبلیؒ کو بھی وضعی روایتوں سے دھوکہ ہوا زبیر کو ابو طالب اور والد ماجد آنحضرت کے ماں جائے بھائیوں کے زمرہ میں شامل نہ جان کر سیرۃ النبی (ص۱۷۱ ج۱) میں لکھ دیا کہ "آنحضرت کے والد اور ابو طالب ماں جائے بھائی تھے اس لئے عبدالمطلب نے آنحضرتؐ کو ابو طالب کے آغوش تربیت میں دیا"[۱] علامہ

۱؎ علامہ شبلیؒ حرب فجار کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ "آل ہاشم کے علم بردار زبیر بن عبدالمطلب تھے اور اسی صف میں جناب رسول اللہ بھی شریک تھے (ص۱۷۱ ایضاً) پھر حلف الفضول کی تجویز کے بارے میں لکھتے ہیں کہ (باقی اگلے صفحہ پر)

موصوف اگر المعارف ہی ملاحظہ کر لیتے جس کے مولف علامہ ابن قتیبہ کے بارے میں خود ہی دوسرے موقع پر لکھا ہے کہ "یہ نہایت نامور اور مستند مصنف ہے، محدثین بھی اس کے اعتماد کے قائل ہیں۔" (الفاروق ص۶) تو شاید لفظ "اس لئے" سے استدلال نہ کرتے ابن قتیبہ نے آنحضرتؐ کی دادی فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم کے ذکر میں بیان کیا ہے کہ ان کے بطن سے عبدالمطلب کے تین بیٹے ہوئے الزبیر، ابو طالب اور عبداللہ ص۵۲) ابن قتیبہ کے علاوہ تمام نسابین نے جن میں سے بعض کی تالیفات علامہ موصوف کے بعد طبع ہوئیں اسی بات کو لکھا ہے اور اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ یہ تینوں سگے بھائی تھے (کتاب نسب قریش ص۱۵ و دیگر کتب) زبیر سب سے بڑے تھے وہی اپنے والد کے جانشین ہوئے اور جیسا خود علامہ موصوف نے بھی لکھا ہے وہی اپنے خاندان کے سرگروہ تھے باپ نے بھی انہی کو وصی کیا تھا انہوں نے ہی آنحضورؐ کی کفالت کی چنانچہ اپنے ان چچا

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ: "یہ زبیر بن عبدالمطلب نے جو رسول اللہؐ کے چچا اور خاندان کے سرگروہ تھے یہ تجویز پیش کی"۔ (ص۱۳۸ ایضاً) علامہ موصوف زبیر کو ہاشمی خاندان کا سرگروہ بھی تسلیم کرتے ہیں، حرب فجار میں بنی ہاشم کا علمبردار بھی لکھتے ہیں، حرب فجار کے علاوہ حلف الفضول میں آنحضرتؐ کے شریک ہونے کو بھی بیان کرتے ہیں لیکن زبیر کے ابو طالب و عبداللہ کے ماں جائے بھائی ہونے کی چونکہ ان کو تحقیق نہ ہوئی وضعی روایتوں کو باور کرکے لکھ دیا کہ: "عبدالمطلب نے مرتے وقت اپنے بیٹے ابو طالب کو آنحضرتؐ کی تربیت سپرد کی ابو طالب نے اس فرض کو جس خوبی سے ادا کیا اس کی تفصیل آگے آتی ہے (ص۱۲۶ ایضاً) اس طرح کی متعدد غلط باتیں لکھی ہیں مثلاً حضرت عباسؓ کو عبدالمطلب کا سب سے چھوٹا بیٹا لکھتے ہیں حالانکہ سب سے چھوٹے بیٹے حمزہؓ تھے جن کی والدہ سے عبدالمطلب نے اسی مجلس میں نکاح کیا تھا جس میں اپنے فرزند عبداللہ کا عقد آنحضرتؐ کی والدہ سے کیا تھا، عباسؓ تو اس وقت تین برس کی عمر کے تھے۔ شعب بنی ہاشم کو شعب ابی طالب کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ صریحاً غلط ہے۔ علامہ موصوف کے لائق شاگرد علامہ سلیمان ندوی مرحوم نے البتہ حاشیہ پر تصحیح ان الفاظ میں کردی ہے کہ "یہ پہاڑ کا ایک درہ تھا جو بنی ہاشم کا موروثی تھا"۔ (ص۲۲۵)

چونکہ بنی ہاشم کی محصوری کے زمانہ میں ابو طالب خاندان کے سرگروہ تھے اس لئے بعض ناواقفوں نے شعب بنی ہاشم کے بجائے شعب ابی طالب لکھ دیا لیکن علامہ جیسے محقق کو تو صحیح لکھنا چاہئے تھا۔

کے ساتھ بیس برس یا اس سے زیادہ عمر تک رہے۔ حلف الفضول کے وقت آپ کی عمر مسعودی نے بیس برس لکھی ہے (التنبیہ والاشراف ص۲۳۰) اور ابن ابی الحدید نے پچیس برس کی۔ غنیمت ہے کہ علامہ شبلیؒ نے عیسائی راہب بحیرا کے لغو قصہ کی پر زور تردید کردی ہے[1] اگر اسی کے ساتھ ابو طالب کی کفالت کی دیگر موضوع روایتوں کی اسی طرح چھان بین کر لیتے حقیقت منکشف ہو جاتی، وضاعین نے نہایت آب و رنگ سے ثابت کرنا چاہا ہے کہ ابو طالب کو آنحضرتؐ سے اس قدر محبت تھی کہ اپنے ساتھ ہی سلاتے باہر جاتے تو ساتھ لیجاتے، بلا ان کے کھانا بھی نہ کھاتے۔ صاحب سیرۃ الحلبیہ لکھتے ہیں:۔

---

[1] یہ وضعی داستان بہت مشہور ہے کہ آنحضرتؐ کی کوئی بارہ برس کی عمر تھی کہ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ ملک شام کے سفر پر گئے بصریٰ کے مقام پر قافلہ پہنچا تو عیسائی راہب بحیرا جو اپنی خانقاہ سے دیکھ رہا تھا کہ ابر قافلہ پر سایہ افگن ہے درخت اور پتھر سب سجدے میں جھک رہے ہیں وہ خانقاہ سے باہر نکلا اہل قافلہ کی دعوت کی آنحضرتؐ میں نبوت کی علامتیں دیکھیں، ابو طالب کو مشورہ دیا کہ اس بچہ کو یہودیوں سے بچاؤ اور جلد واپس جاؤ۔ عیسائی مصنفین نے اس پر اور حاشیے چڑھائے ہیں اور لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے بحیرا راہب سے نسطوری عیسائیوں کے مذہبی عقاید اخذ کئے تھے۔ اس لغو روایت کی علامہ شبلی نے خوبی کے ساتھ تردید کی ہے، محرک اصلی تردید کا عیسائی مولفین ہی کی خرافات ہے۔

آنحضرت صلعم ابو طالب کے ساتھ تجارتی سفر میں نہ اس طرح تشریف لے گئے نہ کسی عیسائی راہب سے اس طرح ملاقات ہوئی وہ اپنے چچا زبیر بن عبدالمطلب کے ساتھ جو اپنے چھوٹے بھائی ابو طالب کی بہ نسبت بڑے پیمانہ پر تجارت کرتے تھے یمن وغیرہ مقامات پر تشریف لے گئے تھے اور تجارتی معاملات سے واقفیت حاصل کی تھی پھر ان کی وفات کے بعد یہ شغل جاری رہا۔

آپ کی امانت و دیانت کی شہرت تھی، متعدد اشخاص آپ کے شریک تجارت رہے جن میں سے بعض کا ذکر ضمناً تذکرۂ صحابہ کے اوراق میں آیا ہے۔ پھر حضرت خدیجہؓ کے تجارتی کاروبار کا اہتمام فرمایا۔ ابو طالب کی تجارت تو بہت محدود پیمانہ پر تھی اور وہ بھی مکہ کے قرب و جوار میں۔ یمن کے سفر میں زبیر و ابو طالب کے ساتھ آنحضورؐ کے تشریف لے جانے کی بھی روایتیں بعض کتب سیر میں ملتی ہیں۔

— (باقی) —

كان ابوطالب مقلا من المال وكان عياله اذا اكلوا جميعا او فرادى لم يشبعوا واذا اكل معهم النبیؐ شبعوا۔ (ص ۱۲۹ ج ۱)

ابوطالب کو مال کی ایسی تنگی تھی کہ ان کے گھر والے کھانا اگر سب ساتھ کھاتے یا جدا جدا کسی کا پیٹ نہ بھرتا لیکن جب نبی صلعم کے ساتھ کھاتے تو سب سیر ہو جاتے۔

اسی طرح کی متعدد روایتیں خرق عادت اور معجزوں کی ابوطالب کی کفالت کے سلسلے میں بیان کی گئی ہیں، پھر کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ وہ یہ سب کچھ تو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے آنحضورؐ سے ان کو عشق بھی تھا مگر اعلان نبوت کے بعد نہ بھتیجے کا کبھی کلمہ پڑھا نہ ان پر ایمان لائے نہ باوجود آنحضرتؐ کے اصرار کے دین اسلام قبول کیا نیز یہ واقعہ بھی کچھ کم باعث حیرت نہیں کہ بعثت کے ابتدائی زمانہ میں جب مشرکین و کفار قریش آنحضورؐ کو طرح طرح ستاتے جسمانی اذیت پہنچاتے دشمنوں کے نرغے سے بچانے کے لئے نہ کبھی ابوطالب آئے نہ ان کے بیٹوں میں سے کوئی آیا بچانے کو پہنچے تو ابوبکر الصدیقؓ پہنچے یا چند سال بعد حضرت حمزہؓ کو ابوجہل کی بد کلامی پر طیش آیا وہ اس سے لڑ پڑے اور اسلام میں شامل ہو گئے۔ یہ ذکر تو کفالت و پرورش کی وضعی روایتوں کے سلسلے میں آ گیا اور نہ اس سے ہرگز انکار نہیں کہ ابوطالب کو آنحضرت صلعم سے محبت نہ تھی، تھی اور یقیناً تھی لیکن نہ اتنی اور نہ اس نوعیت کی جیسی روایتوں میں پرورش کے سلسلے میں مبالغہ سے بیان کی گئی ہے۔[1]

[1] سیرت ابن ہشام میں ابوطالب کے نام سے متعدد اشعار بلکہ قصیدہ لامیہ نقل کیا گیا ہے جس میں آنحضرت صلعم اور دین اسلام کی ایسی مدح و ثنا ہے جو ایک مسلم ہی کی زبان سے ادا ہو سکتی ہے، حالانکہ ابوطالب نے مرتے دم تک اسلام قبول نہیں کیا تھا مثلاً ایک شعر میں اللہ تعالیٰ کی نصرت سے دین حقہ کی فتح و کامیابی کا ان الفاظ میں اظہار کیا ہے ؎

فايده رب العباد بنصره ؛ واظهر دينا حقه غير باطل

کتاب سیرت کے اصل مصنف محمد ابن اسحق نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اکثر لوگ جو فن شعر کے ماہر ہیں ابوطالب کا کلام ہونے سے انکار کرتے ہیں، اسی طرح وضعی روایتیں درج کرنے سے بھی احتیاط نہیں کی۔ محمد بن اسحق کے دادا یسار بن خیار نسلاً ایرانی تھے ۱۲ھ کے معرکہ عین التمر کے قیدیوں کے زمرہ میں آئے اور قیس بن مخرمہ بن المطلب بن عبد مناف کے غلام ہوئے۔ انہی کے پوتے محمد بن اسحق کی ۸۵ھ میں ولادت مدینہ میں

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ابوطالب نے اپنی بیٹی آنحضورؐ کے نکاح میں نہ دی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کفیل تایا جناب زبیر بن عبدالمطلب کی وفات ہو جانے کے کچھ عرصہ بعد کہ سن شریف بیس یا بائیس برس کا تھا۔ متاہل زندگی کا خیال ہوا سب سے پہلے آپ نے دوسرے تایا عبد مناف (ابوطالب) کو ان کی بیٹی ہند کے لئے جو بعد میں ام ہانی کہلائیں، نکاح کا پیام دیا۔ اس وقت ابوطالب کے ماموں کے بیٹے ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی کا پیام بھی تھا۔ ابوطالب نے حقیقی بھتیجے کا پیام قبول نہ کیا ماموں کے بیٹے سے نکاح کر دیا۔ متعدد کتب تاریخ و سیر میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے، تاریخ طبری و کتاب المحبر و الاصابہ وغیرہ کے علاوہ طبقات ابن سعد میں بیان ہے کہ۔

خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ابی طالب ابنته ام ہانی فی الجاهلية وخطبها هبيرة

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ نبوت سے قبل ابوطالب کو ان کی بیٹی ام ہانی سے اپنے نکاح کا پیام دیا تھا اور

بقیہ صفحہ گزشتہ

ہوئی۔ ایرانی خد و خال کے خوبصورت جوان تھے اور جوانی کی مستی میں عشق بازی کرنے لگے، گورنر مدینہ نے کوڑے لگوائے، ۱۴۱ھ میں یہ مدینہ سے نکل کر اسکندریہ چلے گئے وہاں سے کوفہ و الجزیرہ و رے وغیرہ ہوتے ہوئے امیر المومنین ابوجعفر المنصور عباسیؒ کے پاس بغداد پہنچے ان کے صاحبزادے المہدی العباسیؒ کے لئے سیرت میں ضخیم کتاب لکھ کر پیش کی، امیر المومنین نے فرمایا اسے مختصر کرو اس میں ایسی روایتیں و حدیثیں جمع کی ہیں کہ یہ ریلجس لیڈر کی کتاب میں وہ روایت اسی کتاب سے لی گئی جس پر برصغیر ہند کے مسلمانوں میں ہیجان بپا ہوا تھا۔ ابن منیر کا قول ہے کہ:۔ مجہول لوگوں سے لغو روایتیں بیان کرتے ہیں۔

انه يحدث عن المجهولين باحاديث باطلة۔ امام مالکؒ ابن اسحق کو دجالوں میں کا دجال کہا کرتے تھے (میزان الاعتدال ص ۲۱ ج ۳) بعض نے ان کو ثقہ بھی کہا ہے اور سلیمان التیمی نے کذاب اور اسی طرح ہشام بن عروہ وغیرہ نے دروغ گو بتایا ہے (ایضاً) یحیٰی القطان نے کہا ہے گواہ ہوں کہ محمد بن اسحق کذاب ہے (ص ۲۲) ابوبکر خطیب و ابو عمرو الشیبانی کا قول ہے کہ ابن اسحق اپنے زمانہ کے شعراء سے اشعار لکھواتے اور اپنی کتاب میں داخل کیا کرتے تھے (ایضاً) ابوطالب کی کفالت کی روایتوں کا ماخذ انہی کی کتاب ہے جس سے ابن جریر طبری وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

بن ابی وهب بن عمرو بن عائذ بن مخزوم فتزوجها هبیرة
(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۵۲ طبع بیروت)

کو ہبیرہ بن ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم کا پیام بھی تھا۔ ابوطالب نے ہبیرہ کو بیٹی بیاہ دی۔

ابوطالب کے انکار پیام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضی سے شکوہ کیا۔

فعاتبه النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم تزوجت هبیرة وترکتنی
(الاصابہ جلد ۴ ص ۵۰۳)

اور فرمایا یا عم یعنی چچا تم نے ہبیرہ سے تو بیٹی بیاہ دی اور مجھے یوں ہی چھوڑ دیا۔ ابوطالب کا جواب ان الفاظ میں نقل ہوا ہے کہ بھتیجے ان لوگوں سے تو ہماری قرابتیں پہلے سے ہوتی آئی ہیں اور الکریم یکافی الکریم و اشراف کا میل اشراف سے ہی ہوتا ہے (تاریخ طبری والاصابہ و طبقات ابن سعد) یہ واقعہ ہی بیّن ثبوت ہے کہ عبدمناف (ابوطالب) کے آنحضورؐ کی کفالت کرنے کی روایتیں محض وضعی ہیں۔ ابوطالب کا یہ داماد ہبیرہ زمانہ اسلام میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم شدید مخالف ہوا کہ ہجویہ اشعار کہا کرتا تھا اور ہر غزوہ میں آپ کے مقابل آیا فتح مکہ کے وقت جب کفار کے اور سرغنہ اپنی جانیں بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ ہبیرہ بھی اپنی بیوی ام ہانی اور چھوٹے بچوں کو بے سہارا چھوڑ کر نجران کو بھاگ گیا، اس وقت یعنی ۸ھ میں ام ہانی نے شوہر کے یوں بھاگ جانے پر اسلام قبول کر لیا اور اس طرح ہبیرہ اور ام ہانی میں دائمی جدائی ہو گئی۔

ثم فرق الاسلام بین ام هانی وبین هبیرة۔
(طبقات ابن سعد والاصابہ)

(ام ہانی کے) اسلام قبول کرنے سے ان میں اور ہبیرہ میں علیحدگی ہو گئی۔

کتاب نسب قریش کے قدیم مصنف نے بھی اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:

مات هبیرة کافرا هاربا بنجران وکانت عنده ام هانی ابنة ابوطالب فاسلمت الفتح وهرب هبیرة من اسلام

ہبیرہ نجران میں بحالت فراری و کفر مر گیا، ابوطالب کی بیٹی ام ہانی اس کی زوجیت میں تھیں انہوں نے فتح (مکہ) کے وقت اسلام قبول کر لیا

ابی بنجران حتی مات بها کافرا (ص ۳۴۴)

اور ہبیرہ اسلام سے فرار کر کے نجران بھاگ گیا اور وہیں بحالت کفر مر گیا۔

ام ہانی بنت ابوطالب نے واقعہ معراج سے دس برس بعد اسلام قبول کیا تھا اور زمانہ معراج میں وہ آنحضورؐ کے شدید دشمن کی زوجیت میں بھی تھیں اور آبائی مذہب کی پیرو، وضعی حدیثوں میں بسلسلۂ معراج ان کا ذکر جو کیا گیا ہے محض لغو ہے فتح مکہ ۸ھ کے موقع پر حضرت علیؓ نے اپنی بہن کے اسلام قبول کر لینے پر آنحضورؐ سے عرض کیا کہ ام ہانی شوہر کے فرار ہو جانے سے بے سہارا رہ گئی اور اب اسلام بھی لے آئی ہے، آپ نے پہلے بھی پیام دیا تھا اب اپنے حبالہ عقد میں لے آئیں آپ نے ازراہ ترحم انہیں ظل عاطفت میں لینے کا خیال فرمایا اور نکاح کا پیام دیا۔

فخطبها رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الی نفسها فقالت واللّٰہ ان کنت لاحبك فی الجاهلیة فکیف فی الاسلام ولکنی امراءة مصبیة واکره ان یؤذوك۔
طبقات ابن سعد جلد ۸ و کتاب المحبر ص ۲۹۶ والاصابہ جلد ۳ ص ۵۰۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ہانی کو اپنے نکاح کا پیام دیا، ام ہانی نے عرض کیا قسم بخدا جب زمانہ جاہلیت میں آپ سے میں محبت کرتی تھی تو زمانہ اسلام میں اس کا کہنا ہی کیا ہے مگر میں بال بچوں والی عورت ہوں اور اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ آپ کی تکلیف کا موجب ہوں۔

آپ نے یہ عذر ان کا قبول کیا۔ ان واقعات سے ان من گھڑت روایتوں کی تکذیب ہو جاتی ہے جو عبدمناف ابوطالب کی کفالت کی آیت تا سے بیان کی گئی ہیں، جس چچا نے آپ کے نکاح میں بیٹی تک دینا پسند نہ کی وہ آپ کی کفالت کیا کرتا

زبیر کے مرنے پر خاندانی دستور کے مطابق ابوطالب ہاشمی خاندان کے سربراہ ہوئے بعثت رسول اللہ صلعم کے زمانہ سے تیرہ چودہ برس پہلے ہوئے اور تقریباً دس سال تک عہد رسالت میں زندہ رہے۔ کفار قریش نے ان پر طرح طرح سے زور ڈالا مگر اپنے بھتیجے (رسول اللہ صلعم) کا ساتھ انہوں نے نہ چھوڑا خاندان کے سربراہ کی حیثیت سے اپنے عزیز خاص اور فرد خاندان کی کھلم کھلا حمایت کی۔ مقاطعہ (بائیکاٹ) کے ایام میں ہر طرح . . . . .

کی تکالیف اور شدائد خود بھی برداشت کیں اور سوائے بدبخت ابولہب کے خاندان کے ہر فرد نے بھی یہ تکلیفیں اٹھائیں۔ حالانکہ اس وقت تک بیشتر ہاشمی مسلمان بھی نہ ہوئے تھے۔ ابو طالب اور ہاشمیوں کی یہ حمایت اور خدمت جو قرابت اور رشتہ کے جذبے سے اور شعار خاندانی کی متابعت میں کی گئی تھی۔ قابل تعریف اور لائق صد توصیف ہے۔

ابولہب نے البتہ یہ کلنک کا ٹیکہ اپنے چہرہ پر لگالیا اور حد درجہ مذموم حرکت کا ارتکاب کیا کہ ابو طالب کے مرنے پر چونکہ فرزندان عبد المطلب میں وہی عمر میں سب سے بڑا تھا۔ خاندان کا سرگروہ ہوا پہلے تو آنحضورؐ سے کہا ہ محمد ان باتوں کو بھول جاؤ اور بس بھی ان سے باز آیا جو ابو طالب کی زندگی میں تمہاری مخالفت کیا کرتا تھا اب خاندان کا سرگروہ ہوں اس لئے حمایت کروں گا اور جیتے جی تمہیں کوئی گزند نہ پہنچنے دوں گا۔ "لایوصل الیک حتی اموت" یہ حال دیکھ کر ابو جہل وغیرہ نے بھڑکایا اور کہا کہ تمہارے یہ بھتیجے کہتے ہیں کہ عبد المطلب تمہارے باپ دوزخ میں ہیں ذرا ان سے خود تو پوچھو اس کے پوچھنے پر آپ نے فرمایا وہ اپنے باپ دادا کے ساتھ ہیں۔ ابوجہل نے پھر کہا کہ صاف جواب تو آپ نے فرما دیا و من مات علی مثل ما مات علیہ عبد المطلب دخل النار۔ جو کوئی اسی عقیدے پر مرے جس پر عبد المطلب مرے داخل نار ہو گا۔ اس پر وہ بدبخت اور بھڑک گیا اور وہ قابل نفرین حرکت کی جو کسی قریشی سردار سے ممکن نہ تھی یعنی خاندانی حمایت و جوار کی شکست کا اعلان کر دیا حالانکہ اپنے خاندان و قبیلے کے ہر فرد کی حمایت کرنا قریش تو تمغائے شرافت سمجھتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آنحضورؐ طائف تشریف لے گئے تھے اور واپس ہو کر کچھ عرصہ بعد ہجرت فرمائی۔ ہجرت کے دوسرے سال بدر کا معرکہ پیش آیا، ابولہب خود تو نہ گیا ہاشمی خاندان میں سے بدر کے معرکہ میں حضرت علیؓ کے دو سگے بھائی طالب اور عقیلؓ ان کے چچا عباسؓ بن عبد المطلب اور دو چچیرے بھائی نوفلؓ و ابو سفیانؓ ابنائے حارث بن عبد المطلب لشکر قریش میں شریک ہو کر گئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شرکت پر مجبور کئے گئے تھے۔ عباسؓ و عقیلؓ و نوفلؓ تو گرفتار ہوئے طالب لڑائی میں مارا گیا۔ مورخین نے حضرت معاویہؓ کے سوتیلے بھائی حنظلہ کے بدر میں مارے جانے کو خوب اچھالا ہے، مگر حضرت علیؓ کے سگے بڑے بھائی کے واقعہ کی طرح طرح پردہ پوشی کی ہے۔

مولف عمدۃ الطالب فرماتے ہیں کہ طالب کو قریش زبردستی لے گئے تھے مگر وہ وہاں سے غائب ہو گیا۔ پھر کچھ حال اس کا معلوم نہ ہو سکا۔ ففقد فلم یعرف لہ خبر (ص۱۵۔ ساتھ ہی

یہ بھی کہا ہے کہ اپنا گھوڑا طالب نے سمندر میں ڈال کر خود کو ڈبو دیا تھا۔ اس قسم کے عذرات کی بھلا کیا ضرورت تھی۔ حضرت علیؓ یا حضرت معاویہؓ کے لئے یہ بات موجب کسی تنقیص کا نہیں ہو سکتی کہ ان کے بھائی یا دوسرے عزیز قریش کے ساتھ بدر میں شریک ہو کر آئے اور لڑے۔ یہ لوگ اس وقت مسلمان نہ تھے اپنی قوم و قبیلہ کا انہیں ساتھ دینا پڑا اگرچہ بہ مجبوری و بکراہت دیا۔ اسلام کی انقلابی دعوت کی ابتداء میں ایک مختصر سی جماعت نے قبول کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی کو ہدایت کی اور حالات و واقعات نے اس کا دل پھیرا دائرہ اسلام میں داخل ہو تا گیا مگر ہاشمی خاندان کی بعض ممتاز تاریخی شخصیتوں کو حد سے بڑھانے اور اموی خاندان کی ایسی ہی شخصیتوں کو مطعون کرنے کی غرض سے جو روایتیں وقتاً فوقتاً وضع ہوتی رہیں اور مورخین نے اپنے صفحات پر جگہ دی محرک اصلی ان کے وضع ہونے کا خلافت و سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے یہ اختلافات تھے جن کا ذکر کیا گیا ہے اور جن کے نتیجہ میں موروثی حق کا نظریہ ظہور میں آیا حتیٰ کہ نبوت و رسالت، وصایت و امامت کو بھی بالآخر موروثی بتایا گیا اور کہا گیا یہ مراتب عبد المطلب کو عطا ہوئے تھے انہوں نے مرتے وقت ابو طالب کے سپرد کئے" اور "ابو طالب نے نبوت و رسالت کا رتبہ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ م) آنحضرتؐ کو اور وصایت و امامت کا درجہ مولانا علیؑ کو دیا۔" (صہ ۴۲ کتاب ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام) یہ فقرہ اگرچہ حد درجہ غلو بلکہ اغراق پر مبنی ہے، لیکن جو الفاظ مصنف نہج البلاغہ نے حضرت علیؓ کی زبان سے متعدد خطبات میں کہلوائے ہیں، ان میں بھی اسی نظریہ کی جھلک نمایاں ہے، جس کا اظہار مندرجہ بالا فقرے میں کیا گیا ہے۔ مثلاً "خطبہ نمبر ۱۰۵ میں یہ فقرے و الفاظ ملاحظہ ہوں۔

نحن شجرۃ النبوۃ و محط الرسالۃ و مختلف الملائکۃ و معادن علم و ینابیع الحکم۔	ہم نبوت کے شجرہ، رسالت کے اترنے کے مقام، فرشتوں کے آمد و رفت کی جگہ، علم کی کان ہیں۔

موروثی نظریہ خلافت و وصایت کے سلسلہ میں حضرت علیؓ کا نمبر تو بعد میں آتا ہے پہلے تو ان کے والد ماجد آتے ہیں جن کے کفالت و پرورش کرنے کی داستان آب و رنگ کے ساتھ اسی مقصد سے وضع کی گئی۔ لیکن ان حقائق کے پیش نظر کہ انہوں نے کبھی اسلام قبول نہ کیا "بحالت کفر انتقال کیا" آنحضرت صلعم نے ان کی تدفین میں شرکت نہ کی ان کے مختصر سے ترکہ میں سے حضرت علیؓ کو حصہ نہ لینے دیا، یہ ساری داستان خود بخود باطل ہو جاتی ہے۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے سب بھائیوں کی عمروں میں دس دس سال کا فرق تھا کتب تاریخ وغیرہ میں جہاں اور بہت سی وضعی روایتیں ان کے سن و سال اور وصایت و خلافت کے بارے میں ہیں ایک روایت یہ بھی ہے کہ نبوت کے ابتدائی زمانہ میں جب سورۃ الشعراء کی یہ آیت نازل ہوئی **و انذر عشیرتک الاقربین** (یعنی اے رسول) اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو (عذاب الٰہی سے) آگاہ و متنبہ کرو) آپ نے قریش کے تمام خاندانوں کو کہ سب ہی سے آپ کی قرابت و رشتہ داری چلی آتی تھی کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا اور بلایا انذار کیا عذاب

الٰہی سے ڈرایا، آپ کا گمراہ چچا ابولہب اور اس کے ہم خیال برہم ہو کر چلے گئے اس سلسلے میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ پھر بنو عبد المطلب کو آپ نے مدعو کیا، حضرت علیؑ سے دعوت کا انتظام کرنے کو فرمایا لوگ آئے دعوت میں شریک ہوئے جب سب کھانا کھا چکے آپ نے فرمایا :۔

"اے اولاد عبد المطلب! خدا نے مجھے تمام مخلوق کے لئے مبعوث کیا ہے اور خاص طور سے تمہارے لئے (بعثنی الیکم خاصۃ) تم میں سے کون ہے جو اس کا اقرار کرے کہ خدا ایک ہے اور میں (محمدؐ) اس کا رسول ہوں اور اس کی تبلیغ میں میری مدد کرے (لیجادنی القیام بہ) یہ سن کر سب خاموش رہے کسی نے کوئی جواب نہ دیا حضرت علیؑ نے کھڑے ہو کر کہا کہ اگرچہ مجھے آشوب چشم ہے، گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں مگر آپ کا ساتھ میں دوں گا" کہا گیا ہے کہ تین مرتبہ انہوں نے کھڑے ہو کر یہی کہا اس پر آپ سے یہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں یعنی آپ نے علیؑ سے فرمایا فانت اخی ووزیری ووصی ووراثی وخلیفتی من بعدی (یعنی تم میرے بھائی ہو، میرے وزیر ہو، میرے وصی ہو، میرے وارث ہو اور میرے بعد میرے خلیفہ ہو) یہ روایتیں سب ہی کتابوں میں ملتی ہیں جو اسی نظریہ وراثت کی ترجمان ہیں۔ ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ اور تفسیر دونوں میں اس وضعی روایت کو بہ تغیر الفاظ لکھا ہے اور ابو مریم عبد الغفار بن قاسم الضاری و منہال بن عمرو کی سندوں سے درج کیا ہے۔ اول الذکر ابو مریم کے متعلق امام ذہبی نے میزان الاعتدال (ص۱۴۲ ج) میں بتایا ہے کہ وہ رافضی تھا اور ناقابل اعتبار۔ المدائنی کہتے ہیں کہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا اور "رؤس الشیعہ" میں سے تھا، ابو داؤد کہتے ہیں کہ میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ ابو مریم کذاب تھا اسی طرح منہال بن عمرو کو جوزجانی نے ضعفا میں شامل کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ بدمذہب تھا (ایضاً) امام ابن تیمیہ نے اس روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ جھوٹی اور موضوع روایت ہے۔ مگر اس موضوع روایت کو علامہ شبلیؒ نے سیرۃ النبی (ص۲۱۱ ج) میں درج کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے "قریش کے لئے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص (جن میں سے ایک سیزدہ سالہ نوجوان ہے) دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں" علامہ موصوف نے اس واقعہ کو ۳ نبوی کا بتایا ہے (ص۲۱۱) اس وقت حضرت علیؓ کو سیزدہ سالہ نوجوان کہا ہے بالفاظ دیگر بعثت رسول کے وقت ان کی عمر تیرہ ۱۳ سال قرار دی ہے، لیکن یہ کسی طرح بھی صحیح نہیں، اس زمانہ میں ان کی عمر پانچ برس سے زیادہ نہ تھی جیسا امور ذیل سے ثابت ہے :۔

(۱) جنگ بدر رمضان ۲ھ میں ہوئی اور یہی پہلی جنگ تھی جس میں حضرت علیؓ کو ابتداءً تیغ زنی کا موقع ملا تھا خود ہی فرماتے ہیں لقد نھضت فیھا وما بلغت العشرین (میں ہنوز پورے بیس برس کا بھی نہ تھا جو اس میں (جنگ بدر) میں لڑنے کو اٹھ کھڑا ہوا تھا) (خطبہ ۲۶ نہج البلاغہ و کامل المبرد و عقد الفرید وغیرہ) دیگر کتب میں صراحتاً بیان ہوا ہے کہ بدر میں جب حضرت علیؓ کو جھنڈا عطا ہوا تھا ان کی عمر بیس برس کی تھی، سیرۃ الحلبیۃ میں ابن عباسؓ کا قول نقل ہوا ہے کہ بدر میں علیؓ کی عمر بیس سال کی تھی نیز خطیب بغدادی لکھتے ہیں :۔

شھد علی بدراً وھو ابن عشرین سنۃ وشھد الفتح وھو ابن ثمان و عشرین سنۃ (تاریخ خطیب بغدادی ص۱۳۸ ج) یعنی علیؓ جنگ بدر میں شریک ہوئے تو وہ بیس برس کے تھے اور فتح مکہ کے زمانہ میں اٹھائیس برس کے تھے۔ اس حساب سے ہجرت کے وقت اٹھارہ سال کے تھے اور بعثت نبوی کے زمانہ میں پانچ سال کے۔ یعنی ۱۸ - ۱۳ = ۵

(۲) حضرت فاطمہؓ سے ان کا نکاح مشہور روایت کے مطابق جنگ بدر کے بعد ہوا اس وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی اور دوسری زیادہ معتبر روایت سے جنگ احد ۳ھ کے بعد ہوا تھا اس وقت وہ اکیس برس کے تھے انکحھا رسول اللہ علیاً ..... بعد وقعۃ احد ..... ومن علی یومئذ احدی وعشرین سنۃ وخمسۃ اشھر (حاشیہ صحیح بخاری ص۵۳۲ مطبوعہ اصح المطابع دہلی) یعنی رسول اللہ صلعم نے ان کا (فاطمہؓ) کا نکاح علیؓ سے بعد واقعہ احد کیا ...... اس وقت علیؓ کا سن اکیس برس پانچ ماہ کا تھا اس اعتبار سے بھی ہجرت کے وقت وہ اٹھارہ برس کے ہوئے اور بعثت رسول کے زمانہ میں پانچ سال کے۔

(۳) ابوطالب بڑی عسرت سے زندگی بسر کرتے تھے نبوت کے دوسرے سال جب قحط پڑ گیا معاشی حالت ان کی اور خراب ہو گئی، بڑے دو بیٹے طالب وعقیل تو ۳۶ و ۲۶ برس کے خود کفیل تھے، چھوٹے دونوں بیٹوں جعفر و علی کی پرورش کا بار البتہ ان پر تھا جن کی عمریں علی الترتیب سولہ اور چھ برس کی تھیں، آنحضرت صلعم نے اپنے دوسرے چچا حضرت عباسؓ کو ابوطالب کی اعانت پر متوجہ کیا اور فرمایا کہ ان کے دونوں چھوٹے بیٹوں کی پرورش کا بار خود ہم اٹھالیں چنانچہ حضرت عباسؓ نے جعفر کو اپنی پرورش میں لے لیا اور آنحضرت صلعم نے علی کو۔ اب دیکھئے کہ حضرت علیؓ کی عمر اس وقت اگر تیرہ چودہ برس کی ہو جیسا علامہ شبلیؒ نے قرار دی

ہے تو حضرت جعفرؓ کی عمر لامحالہ تینتیس ۳۳ چونتیس ۳۴ برس کی قرار پائے گی، اس عمر کا جوان شخص خود کفیل ہوتا ہے قابل پرورش نہیں ہوتا، جن لوگوں نے حضرت علیؓ کی واقعی عمر کو اس مقصد سے بڑھا کر پیش کیا ہے کہ انہیں اسلام قبول کرنے میں پہلا یا دوسرا فرد قرار دے لیں، انہوں نے اس قباحت کا خیال نہیں کیا کہ جس نسبت سے ان کی عمر بڑھائی جائے گی اسی نسبت سے ان کے بڑے بھائی کی عمر میں اضافہ کرنا پڑے گا، پھر ان کی پرورش کا کوئی مسئلہ ہی باقی نہیں رہتا حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ وہ اپنے چچا کی پرورش میں رہے تھے۔ اس اعتبار سے بھی حضرت علیؓ بعثت نبوی کے وقت پانچ ہی برس کی عمر کے ہوتے ہیں اور فی الاصل تھے بھی۔

(۴) حضرت جعفرؓ نے غزوہ موتہ (جمادی الثانی ۸ھ) میں شہادت پائی، سن اس وقت چونتیس پینتیس برس کا تھا۔ ان ہی کی اولاد میں علی بن عبداللہ بن جعفر بن ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن جعفرؓ موصوف کا قول مقاتل الطالبین کے شیعہ مولف نے نقل کیا کہ قتل جعفر وھو ابن ثلاث او اربع و ثلاثین سنۃ (ص۱۰) یعنی جعفر جس وقت قتل ہوئے وہ تینتیس ۳۳ چونتیس ۳۴ برس کے تھے۔ ۸ھ میں جب چونتیس برس کے تھے تو ہجرت کے وقت چھبیس ستائیس ۲۷ برس کے ہوتے اور بعثت نبوی کے زمانہ میں چودہ پندرہ برس کے اور ان سے دس برس چھوٹے (علیؓ) وہی چار پانچ برس کے۔[۱]

(۵) حضرت علیؓ رمضان ۴۰ھ میں شہید ہوئے تھے اس وقت وہ اٹھاون برس کے تھے۔ جناب جعفر بن محمدؒ (الباقرؒ) سے کسی نے پوچھا کم کان لعلیؓ یوم قتل؟ قال ثمان و خمسین۔ (تاریخ خطیب البغدادی ص۱۳۶ ج۱) یعنی قتل کے دن علیؓ کی کیا عمر تھی کہا کہ ۵۸ برس کی۔ اس حساب سے بھی بوقت ہجرت ۱۸ سال کے اور بزمانہ بعثت نبوی پانچ سال کے تھے۔

اور بالفرض یہ ثابت بھی ہو جائے کہ بعثت نبوی کے وقت علیؓ کی عمر پانچ برس سے زیادہ

---

[۱] مقاتل الطالبین کے شیعہ مولف نے اس پر یہ ریمارک کیا ہے کہ علیؓ کی عمر نبی صلعم کی مبعوث ہونے کے زمانہ میں زیادہ سے زیادہ ۱۵ سال کی اور کم سے کم سات برس کی بیان کی گئی ہے اس لئے یہ قول کہ شہادت کے وقت جعفر تینتیس چونتیس برس کے تھے صحیح نہیں ابن عبدالبر نے اکتالیس بیان کی ہے۔ ۹، ۱۱، ۱۳، ۱۵

۹، ۱۰، ۱۱ سال کے مختلف اقوال خود اس بات کی بین دلیل ہیں کہ عمر کا تعین حقیقت پسندی سے نہیں بلکہ اس مقصد کے پیش نظر کیا گیا ہے کہ یہ فضیلت بھی ان کی ثابت ہو سکے کہ اسلام لانے میں وہی پہلے یا دوسرے شخص تھے، وہی وصی تھے اور وہی جانشین ہوئے دوسروں نے ان کا حق غصب کیا۔

یعنی سات یا آٹھ یا نو یا دس برس کی تھی تو بقول علامہ ابن حزم: "دس برس والے کا اسلام و دعوت اسلام ایسا ہی ہے جیسے انسان کا اپنے چھوٹے بچے کو دین کا خوگر بنانا کہ نہ تو ان کو کچھ نفع ہے نہ اس کے انکار سے کوئی گناہ، اگر اس معاملہ کو اس قول کے مطابق اختیار کیا جائے جو کہتا ہے کہ علیؓ کی وفات اٹھاون برس کی عمر میں ہوئی تو پھر وہ نبی صلعم کی بعثت کے وقت پانچ ہی برس کے تھے.......... علیؓ حد تکلیف و حد بلوغ کو نبی صلعم کے زمانہ بعثت کے چند سال بعد پہنچے جب کہ بہت سے صحابہ مرد و عورت اسلام لا چکے تھے.......... علیؓ کا بت پرستی نہ کرنا ہم نے اور ہمارے ان بچوں نے جو اسلام میں پیدا ہوئے کبھی بت پرستی نہیں کی۔ لیکن عمار و مقداد و سلمان و ابوذر و حمزہ و جعفرؓ نے بت پرستی کی۔ کیا تمہاری رائے میں ہم لوگ اس سبب سے ان حضرات سے معاذ اللہ افضل ہیں اس کا تو کوئی مسلم بھی قائل نہیں (الملل والنحل ص۱۰۳ ج۴)

اردو ترجمہ)۔

غرضیکہ مندرجہ بالا تصریحات سے بخوبی ثابت ہے کہ ہجرت سے دو ایک سال پہلے حضرت علیؓ اس سن و سال کے ہوئے یعنی پندرہ سولہ برس کے کہ تعلیمات دین سے بہرہ مند ہو سکے بعثت نبوی کے بعد سے اس دس بارہ برس کے عرصہ میں ان سے پہلے بہت سے صحابہ نے بہرہ وافر حاصل کیا تو پھر باب العلم کی وضعی حدیث اور اس قول کی کیا حقیقت باقی رہتی ہے جو مصنف نہج البلاغہ نے ان سے منسوب کیا ہے:۔

نحن الشعار والاصحاب والخزنۃ والابواب و لا تؤتی البیوت الا من ابوابھا فمن اتاھا من غیر ابوابھا سمی سارقا۔	ہم (رسول اللہ کے خصائص ہیں، ان کے اصحاب ہیں (اسرار پیغمبر کے خزانہ ہیں (مکان علم کے دروازے ہیں دروازوں کے بغیر مکان میں دوسری طرف سے داخل ہونا جائز نہیں جو شخص غیر دروازے سے داخل ہوگا وہ چور کہلائے گا۔

(خطبہ ۱۵۲)

مصری فاضل احمد امین نے اپنی تالیف فجر الاسلام میں حضرت علیؓ کی شخصیت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی تصویر کشی سخت دشوار ہے کیونکہ مبالغات و اکاذیب کا وہ انبار لگا دیا گیا ہے کہ مورخ حیرت زدہ رہ جاتا ہے:۔

دخلھا من المبالغات والاکاذیب ما وقف المورخ حائرا (ص۱۳۸) بقول پروفیسر نکلسن و محقق لامن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک تخلیقی شخصیت اصلی شخصیت پر قائم کرنے کی

کوشش کی گئی ہے۔ ولادت کے بارے میں عجیب عجیب باتیں کہی گئی ہیں۔ ملا باقر مجلسی نے ایک عیسائی راہب مثرم کا وضعی قصہ لکھا ہے کہ ابوطالب سے اپنی ملاقات میں اس نے کہا تمہارے صلب سے ایک بیٹا ہوگا جو "ولی خدا و پیشوائے متقیان و وصی رسول پروردگار عالمیان" ہوگا ابوطالب نے برہان دلیل کے لئے اس سے بہشت کا طعام طلب کیا، راہب نے دعا مانگی، رطب و انگور و انار بہشت کا خوان آگیا ابو طالب نے انار بہشتی کھایا۔ اس سے نطفہ مبارک رحم مادر میں قائم ہوا (جلاء العیون ص۱۶۸) اور بھی اسی طرح کی روایتیں ہیں کسی میں کہا ہے کہ دونوں میاں بیوی نے بہشت کی کھجوریں کھائیں ان سے نطفہ قرار پایا اور نطفہ قرار پاتے ہی "زہابت آنحضرت زمین بحرکت آمد" اور کعبہ کے بت گر پڑے حالانکہ متعدد کتب، مقاتل الطالبین و شرح ابن ابی الحدید وغیرہ میں صراحتاً بیان ہے کہ ولادت علیؓ کے وقت ان کے والد موجود نہ تھے۔ والدہ علیؓ فاطمہ بنت اسد نے نومولود کے نانا کے نام پر اسد نام رکھ دیا ابوطالب کو پسند نہ ہوا انہوں نے علی رکھا شیعہ مولف عمدۃ الطالب فرماتے ہیں:۔

ومن ھا ھنا سمی امیر المومنین علی حیدرۃ لان حیدرۃ من اسماء الاسد

یعنی اسی وجہ سے امیر المومنین علیؓ کو حیدر کہنے لگے کیونکہ اسد یعنی شیر کے ناموں سے ایک نام حیدر بھی ہے، بس اتنی سی بات پر کیا کیا حاشیے چڑھائے گئے، اسد سے اسد اللہ الغالب و حیدر و شیر خدا نام و لقب قرار دے لئے ملا باقر مجلسی نے تو یہ قصہ بھی تصنیف فرما دیا ہے کہ طائف کے راستہ میں ابو طالب کو ایک شیر ملا جو انہیں دیکھ کر دم ہلانے اور سر اپنا خاک پر ملنے لگا۔ وجہ پوچھنے پر وہ قدرت الٰہی سے گویا ہو گیا اور کہنے لگا:۔

توئی پدر شیر خدا و یاری کنندۂ پیغمبر خدا و تربیت کنندۂ اولیں در آن روز محبت حضرت رسالت در دل ابوطالب جا کرد و ایمان آورد۔	تم ہی شیر خدا کے باپ ہو، پیغمبر خدا کی یاری کرنے والے اور تربیت کرنے والے ہو، پس اسی دن سے رسول اللہ کی محبت نے ابوطالب کے دل میں جگہ کر لی اور ایمان لے آئے۔

جلاء العیون ص۱۹۲ مطبوعہ تہران ۱۳۳۴ھ

اس جعلی روایت پر گفتگو ہی کیا ہو۔ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ بات تو کرتا ہے بعثت سے کئی سال پہلے کی اور کہتا ہے کہ قبل نبوت ہی ابوطالب ایمان لے آئے۔

خانہ کعبہ میں تولد

اس کے متعلق بھی عجیب و غریب روایتیں ہیں، ملا باقر مجلسی کی جلاء العیون کے علاوہ THE EARLY HISTORY OF ISLAM[1] (اسلام کی ابتدائی تاریخ) میں بھی ہیں مسٹر ہولسٹر ایم۔ اے نے اپنی تالیف "شیعیان ہند"[2] میں اس سے اقتباسات لئے ہیں نیز بعض دیگر کتب خصوصاً حملہ حیدری میں جو منظوم ہے اور جو "فخر المحققین سلطان العلماء وحید العصر والآوان مجتہد العصر والزمان جناب آقا سید محمد بانو ابہ" کی تصحیح سے نوابان اودھ کے سرکاری مطبع میں ۱۲۶۷ھ میں طبع ہوئی تھی یہ انوکھی روایت آب و رنگ سے بیان کی گئی ہے کہ والدہ علیؓ کو ابو طالب نے ایام حمل میں حضرت محمدؐ کی غیر معمولی تعظیم کرتے دیکھا وجہ پوچھنے پر بتایا کہ یہ جو میرے پیٹ میں ہے مجھے ایسا بے قرار کر دیتا ہے کہ بے اختیار تعظیم کو کھڑی ہو جاتی ہوں۔ ابو طالب نے یہ سن کر دوسرے دن اپنے چھوٹے بھائی حمزہؓ کو جو پہلوانان حجاز میں ممتاز تھے بلا لیا اور آنحضرت کی تشریف آوری سے ذرا پہلے بیوی کو درمیان میں بٹھایا ایک طرف خود بیٹھے دوسری جانب حمزہؓ کو بٹھایا پھر دونوں نے والدہ علیؓ کے بازو مضبوط پکڑ لئے مگر جوں ہی آنحضرت نے قدم گھر میں رکھا والدہ علیؓ نے اپنے بازوؤں کو اس زور سے جھٹکا دیا کہ دونوں زورآزما دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور وہ تعظیم کو اٹھ کھڑی ہوئیں۔

چو افتاد چشمش بر آن نور پاک ؛ بہ بیتابی جست از روئے خاک
گران ہر دو زور آزمائے تن نام جو ؛ نیامد میسر دمے ضبط او
تکان داد بازو و بر پائے خواست ؛ بہ تعظیم سید باستاد راست

(حملہ حیدری ص۳۲۳)

اب یہ اور عجیب ترباتیں سنئے کہ شکم مادر ہی سے جنین نے سلام کا جواب دیا:۔

بفرمود از روئے مہر و ولا ؛ سلام علیک! اے برادر مرا
برو آمد از شکم این ندا ؛ علیک السلام! اے رسول خدا

(ایضاً)

---

[1] مولفہ صفدر حسین مطبوعہ انگلش پرنٹنگ پریس لکھنؤ ۱۹۳۳ء
[2] مطبوعہ لندن ۱۹۵۳ء۔

ملا صاحب نے اسی ضمن میں حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے یہ چشم دید واقعہ منسوب کیا ہے کہ "فاطمہ بنت اسد (والدہ علیؑ) مسجد در آمد (مسجد سے مراد خانہ کعبہ ہے جو اس زمانہ میں بت خانہ تھا۔ م) واورا دردزائیدن گرفتہ بود (ص۱۹۱) یعنی دردزہ شروع تھا کہ خانہ کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر آسمان کی جانب نظر اٹھائی اور کہنے لگیں :۔

اے خدا! مجھ پر اور تیرے ہر پیغمبر و رسول اور ہر کتاب پر جو تو نے نازل کی ہے میں ایمان رکھتی ہوں، یہ بچہ جو میرے پیٹ میں ہے اور مجھ سے باتیں کرتا ہے میں یقین سے جانتی ہوں کہ تیری عظمت و جلال کی نشانیوں میں سے یہ ایک نشانی ہے اس کی ولادت مجھ پر آسان کر دے۔

دوسری روایت میں ہے کہ دیوار کعبہ سے جب پیٹ ملنا شروع کیا دیوار یکایک شق ہو گئی، دروازہ نمودار ہوا اور غیب سے آواز آئی اے مادر افضل اوصیا، اندر آ۔ اور یہ جنو! (؟)

که دیوار از حکم رب مجید ؛ بشد شق و آمد درے زان پدید
ندائے بگوش آمدش از سما ؛ که اے مادرِ افضلِ اوصیا
درون آ و در خانهٔ ما بزائے ؛ سزد مولدِ آن ولد این سرائے
درون رفت بانو بحکم اله ؛ تولد درون حرم یافت شاه

کتاب المحبر کے قدیم ترین مؤلف مسلکاً تفضیلیہ تھے وہ بھی الحکیمؓ بن حزام کی والدہ کے خانہ کعبہ میں آنے اور دردزہ شروع ہو کر وہیں بچہ جننے کا ذکر کرتے ہیں والدہ علیؓ کے واقعہ کا ذکر نہیں کرتے۔

الحکیم بن حزام ولد فی الکعبة وذلك ان امه دخلت الکعبة وهی حامل به فضربها المخاض فیها وولدت هناك۔
(کتاب المحبر ص۱۷۶)

حکیم بن حزام کعبہ میں پیدا ہوئے اس کا سبب یہ ہوا کہ ان کی ماں کعبہ میں داخل ہوئیں۔ بچہ پیٹ میں تھا انہیں وہیں دردزہ شروع ہو گیا بس وہیں بچہ جن دیا۔

حکیمؓ بن حزام حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے اور صحابی تھے، یہ واقعہ عہد جاہلیت کا اور ولادت علیؓ سے چالیس برس پہلے کا ہے جب خانہ کعبہ کو کفار نے بت خانہ بنا رکھا تھا عورت مرد سب ہی بتوں کی پوجا کو آتے تھے عرب کا تو ذکر ہی کیا دنیا میں کہیں بھی میٹرنٹی ہوم کا وجود نہ تھا۔

بت پوجنے والی حاملہ عورتوں کا محض بچہ جننے کو نہیں بلکہ وضع حمل کی تکالیف کے آسان ہونے کی منتیں چڑھانے کو کعبہ میں آنا قرین قیاس ہے۔

اس سلسلہ میں یہ تصریحات بھی جلاء العیون وغیرہ میں ہیں کہ والدۂ علیؓ تین دن تک خانۂ کعبہ میں رہیں اور "میوہ ہا و طعامہائے بہشت" تناول کرتی رہیں جب نکلنے دن دروازہ کھلا ساتھ ہی ندا آئی کہ :۔

اے فاطمہ! ہم نے اپنے اسم مقدس سے اشتقاق کر کے نومولود کا نام علی رکھا ہے اور آداب خجستہ سے بچہ کی تادیب کی ہے "وامور خود را با و تفویض نمودہ ام و او را بر علوم پنہان خود مطلع کردہ ام (ص۱۹۱) دوسری روایت میں ہے کہ نومولود کو گھر لے جا رہے تھے کہ یکایک ایک لوح سبز زمین سے پیدا ہوئی جس پر اس مضمون کے چند شعر کندہ تھے کہ ہم نے اس نومولود کا نام اپنے نام پر رکھا ہے، ابوطالب نے اس لوح کو کعبہ میں لٹکا دیا جو ہشام بن عبدالملک کے زمانہ تک آویزاں رہی (ص۱۹۵) نیز بیان ہوا ہے کہ نومولود نے اپنے باپ کو اور آنحضرت کو سلام کیا، آپ نے دہان مبارک بچہ کے منہ میں دیدیا جس سے بارہ چشمے بچے کے منہ میں جاری ہو گئے "دوازدہ چشمہ از زبان معجز نشان آن حضرت در دہان امیرالمومنینؑ جاری شد" (ایضاً) لکھا ہے کہ اس سبب سے اس دن کا نام ترویہ پڑ گیا۔ دوسرے دن نومولود نے آپ کو پہچان لیا اس بنا پر اس دن کا نام عرفہ ہوا، دسویں ذوالحجہ کو ابوطالب نے تین سو اونٹوں اور ہزار "گوسفند و گاؤ" کی قربانی کر کے اہل مکہ کی ضیافت کی اور خوشی منائی اس لئے اس دن کا نام نحر ہوا اور "آن روز را عید گردانید" قوت جسمانی کے مزید ثبوت کا اظہار بھی اس پیرایہ میں کیا گیا ہے کہ نومولود کو کپڑے میں لپیٹا جاتا کپڑا پھاڑ ڈالتا۔ "چند مرتبہ" جامہ دیبا محکم" کو پھاڑا پھر مضبوط چمڑا اوپر سے لپیٹا گیا "بازآن شیر خدا لفوت ربانی ہمہ را از ہم درید (ص۱۹۲)

یہ اور اسی طرح کے مبالغات جو واقعات کے مشاہدات کے اور برہان عقلی کے سراسر خلاف ہیں جس مقصد سے کئے گئے تشریح طلب نہیں عیاں ہے اور عیاں راچہ بیان! اپنے اور بھائی بہنوں کی طرح حضرت علیؓ کی ولادت بھی آبائی مکان دخانہ پدری میں ہوئی، باپ کی عدم موجودگی میں ماں نے نومولود کے نانا اسد بن ہاشم کے نام پر اسد نام رکھ دیا تھا ابوطالب نے آکر بدل دیا۔ ابن ابی الحدید نے ابن قتیبہ کے حوالے سے یہ لکھا ہے جس کا اشارہ اوپر گذر چکا

كانت امه علي سمته وابو طالب غائب حين ولدته اسداً باسم ابيها اسد بن هاشم بن عبد مناف فلما قدم ابو طالب غير اسمه وسماه عليا وحيدرة اسم من اسماء الاسد

شرح ابن ابی الحدید صـ۳۶۲ ج۱ نیز مقاتل الطالبین وغیرہ

علی کی والدہ نے اپنے باپ اسد بن ہاشم بن عبد مناف کے نام پر ان کا نام رکھا کیونکہ ان کی ولادت کے وقت ابو طالب موجود نہ تھے جب ابو طالب آئے انہوں نے ان کا نام بدل کر علی رکھا اور حیدر اسد (شیر) کے ناموں سے ہے۔

واقعہ تو محض اسی قدر تھا، بے تکی عقیدت اور سیاسی مصلحت نے طرح طرح کے حاشئے چڑھا دئے، اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کردیا۔ اوپر ذکر ہو چکا کہ حضرت علیؓ بچپن میں اپنے والدین کی ناداری کی وجہ سے آنحضرت صلعم کے یہاں پرورش پاتے تھے پھر یہ خصوصیت بھی کچھ انہی کی نہ تھی آپ کی سوتیلی اولاد یعنی حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر کے بچے نیز زیدؓ بن حارثہ جن کو آپ نے متبنّیٰ کیا تھا اور زید بن محمدؐ کہلاتے تھے آپ کی پرورش میں تھے، بعد میں حضرت ام سلمہؓ اور حضرت جعفرؓ کی اولاد نے بھی پرورش پائی۔ مگر نہج البلاغہ کے مصنف نے خطبہ ۲۴۰ جس کا نام "القاصعہ" رکھا ہے حضرت علیؓ کی زبان سے یہ الفاظ ادا کرتے ہیں:۔

"جب میں بچہ تھا رسول اللہ نے مجھے اپنی گود میں اٹھالیا، اپنے سینہ سے لپٹالیا، اپنے فرش پر مجھے اپنے پہلو میں رکھتے، اپنے جسم کو میرے جسم سے مس کرتے، اپنی خوشبو مجھے سنگھاتے کھانے کے لقمہ کو پہلے خود چباتے پھر وہ لقمہ میرے منہ میں دیدیتے .... میں آپ کی اسی طرح پیروی کرتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے دوڑا دوڑا جاتا ہو۔ آپ ہر روز مجھے اپنے اخلاق کریمہ کے ایک علم کی تعلیم دیا کرتے تھے ...... ہر سال ایک مہینہ آپ کوہ حرا میں مقیم رہتے تھے پس میں آپ کو دیکھتا تھا میرے سوائے کوئی اور نہ دیکھ سکتا تھا..... میں وحی اور رسالت کا نور دیکھتا تھا اور "ریح النبوۃ" کی خوشبو سونگھتا تھا جس وقت وحی رسول اللہ پر نازل ہوتی (یعنی غار حرا میں) تو میں نے شیطان کی فریاد (رنۃ الشیطان) کی آواز سنی رسول اللہ سے پوچھا یہ کیسی آواز ہے فرمایا یہ شیطان ہے جو اپنے تسلط سے مایوس ہو گیا ہے۔ بیشک اے علی۔ جو میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو جو میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو اِلّا یہ کہ تم نبی نہیں ہو لیکن (دینی کے) وزیر ہو۔"

ابن ابی الحدید نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے علیؓ سے فرمایا تھا۔

لولا اني خاتم الانبياء لكنت شريكاً في النبوة فان لا تكن نبياً فانك وصي نبي ووارثه بل انت سيد الاوصياء وامام الاتقياء۔

اگر میں خاتم الانبیاء نہ ہوتا تو تم نبوت میں میرے شریک ہوتے اب جبکہ تم نبی نہیں ہو تو تم نبی کے وصی اور اس کے وارث ہو بلکہ سید الاوصیا اور امام الاتقیا ہو۔

گویا پانچ چھ برس کے بچہ سے جس کو ابھی کچھ شعور بھی نہ ہوا تھا خاتم النبیین نے یہ گفتگو کی تھی! یہ باتیں حقیقت پر مبنی ہیں نہ واقعات سے ان کا کوئی ثبوت دیا جاسکتا ہے۔

علمی فضیلت

حضرت علیؓ سابقون الاولون اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے فضلائے صحابہ میں ان کا اپنا درجہ ہے۔ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں:۔

"علیؓ نے صرف پانچ سو چھیاسی حدیثیں روایت کی ہیں جن میں سے تقریباً پچاس صحیح ہیں حالانکہ وہ رسول اللہ صلعم کے بعد تیس برس سے زیادہ زندہ رہے لوگوں کی بکثرت ان سے ملاقات ہوئی، ...... اس کے بعد ہم نے یہ حالت پائی کہ جو جو زمانہ دراز ہوتا گیا لوگوں کو صحابہ کے علوم کی حاجت بڑھتی گئی۔ ہم نے مسند عائشہؓ میں دو ہزار دو سو دس حدیثیں پائیں۔ مسند ابو ہریرہؓ میں پانچ ہزار تین سو چوہتر حدیثیں، مسند ابن عمرؓ و مسند انسؓ دونوں میں ہر ایک کی قریب قریب عائشہؓ کے برابر حدیثیں پائیں۔ مسند جابر بن عبد اللہ و مسند عبد اللہ بن عباسؓ میں ہر ایک کی پندرہ پندرہ سو سے زائد حدیثیں اور ابن مسعودؓ کی آٹھ سو چالیس حدیثیں پائیں۔ مذکورہ بالا حضرات کے سوائے ابو ہریرہؓ و انس بن مالکؓ کے فتاویٰ بھی علیؓ کے فتاویٰ سے زائد یا برابر ہیں" (الملل والنحل صـ۹۹ اردو ترجمہ)

حضرت ابو بکرؓ کا مرتبہ تو علم میں سب ہی صحابہ سے بلند تھا ان کے بعد چند صحابہ ہیں جن میں حضرت معاذؓ بن جبل ہیں جن کے بارے میں حضرت عمرؓ کا یہ قول تھا "لولا معاذ اً لهلك عمر" اگر معاذ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا یہ ایک مسئلہ میں ان کے مشورہ کی توصیف میں فرمایا تھا (صـ۱۲۶ الاعلام زرکلی) لوگوں نے "معاذ" کے بجائے "علی" کا نام لکھ کر شہرت دیدی۔

شریف الرضی نے خطبہ ۱۴۸ میں فضائل علیہ اور خلافت کے دعاوی کے اظہار میں یہ کلمات حضرت علیؓ کے منہ سے کہلوائے ہیں:۔

أين الذين زعموا انهم الراسخون في العلم دوننا كذبا وبغيا علينا ان رفعنا الله ووضعهم واعطانا وحرمهم وادخلنا واخرجهم بنا يستعطى الهدى ويستجلى العمى ان الائمة من قريش غرسوا في هذا البطن من هاشم لا تصلح على سواهم ولا تصلح الولاة من غيرهم۔

(صـ۳۶)

.. ..

کہاں ہیں وہ لوگ جو ہمارے سوائے راسخون فی العلم ہونے کے مدعی ہیں یہ ہم پر جھوٹ بولتے ہیں ہم پر ظلم کرتے ہیں اس لئے کہ اللہ نے ہمیں تو رفیع المنزلت بنایا ہے اور انہیں گرا دیا ہے ہمیں مرتبہ عطا کیا ہے اور انہیں محروم کیا ہے[1] ہمیں (اپنی رحمت میں) داخل کیا ہے انہیں خارج کر دیا ہے ہماری رہنمائی سے (امت کی) ہدایت کی گئی ہے اور (طلبگاران بصیرت کی) نابینائی ہمارے ہی سبب سے اٹھائی گئی ہے تحقیق کہ امام (خلفاء) قریش سے ہوں گے جو اس خاندان بنی ہاشم کے نونہال ہوں گے۔ بنی ہاشم کے سوائے امامت (خلافت) کسی کو زیبا نہیں اور نہ ان کے علاوہ کوئی اور حاکم ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

حضرت علیؓ جلیل القدر صحابی تھے، تقویٰ و طہارت و حسن اخلاق سے متصف تھے۔ کون یقین کر سکتا ہے کہ یہ کلمات ان کے منہ سے ادا ہوئے ہوں۔ یہ تو واضعین کی اپنی ذہنیت کے ترجمان ہیں۔ نہج البلاغہ کے اکثر خطبے فصحائے شیعہ کے وضع کردہ ہیں۔ ایک دیوان شعر بھی حضرت موصوف سے منسوب کر دیا گیا ہے جس میں تقریباً ۱۵۰۰ شعر ہیں حالانکہ حضرت علیؓ

---

[1] مصنف نہج البلاغہ نے تو حضرت علیؓ کی زبان سے یہاں تک کہلوایا ہے کہ فانا صنائع ربنا والناس بعد صنائع لنا یعنی اللہ نے اول ہم (بنی ہاشم) کو بنایا اور بعد میں دوسروں کو۔ ابن ابی الحدید نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ مطلب یہ ہے ہمارے اور خدا کے درمیان تو کوئی واسطہ نہیں ہے بلکہ ہم اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے درمیان واسطہ ہیں۔ یہ تو ظاہری معنی ہیں باطنی مطلب یہ ہے کہ ہم تو اللہ کے بندے ہیں اور دوسرے انسان ہمارے بندگان ہیں۔ فليس بيننا وبينه واسطة فنحن الواسطة بينهم وبين الله تعالیٰ

نے نہ کبھی کوئی شعر کہا اور نہ شعر گوئی کا مذاق رکھتے تھے۔ ابتدائی زمانہ بعثت رسول اللہ میں مشرکین شعراء ہجویہ اشعار کہا کرتے تھے بعض صحابہ نے عرض کیا کہ علیؓ کو ارشاد فرمادیں کہ جواب دیں آپ نے فرمایا لیس عندہ ذلك یعنی ان میں اس کا مادہ نہیں۔ سیرۃ ابن ہشام میں جو اشعار ان سے منسوب ہیں صاحب کتاب نے خود لکھ دیا ہے کہ فن شعر سے جو بھی واقفیت رکھتا ہے اس کا قائل نہیں کہ حضرت علیؓ کے یہ اشعار ہوں (سیرت ابن ہشام صـ۱۳۶ ج۲) ابو عبید اللہ المرزبانی مولف معجم الشعراء جو شیعوں میں شعر کا سب سے بڑا نقاد تھا دو رجزیہ بیتیں لکھ کر کہتا ہے لم یصح ان علیا تکلم من الشعر بشئ غیر بیتین یعنی یہ صحیح نہیں کہ علیؓ نے ان دو بیتوں کے سوائے کوئی شعر کہا ہو مگر لطف یہ ہے کہ منسوبہ دیوان میں یہ دو بیتیں بھی نہیں ہیں۔ زمانہ حال کے نقاد احمد تیمور مستقیم زادہ کا یہ مقولہ صحیح ہے کہ "دیوان علی" کے اشعار اصل مالکوں کے حوالے کر دئے جائیں تو "دیوان علی" کی جیب خالی ہو جائے[1]

جہاد افضل جہاد تو جہاد باللسان ہے یعنی زبان سے تبلیغ دین کی کرنا اس میں رسول اللہ صلعم کے بعد حضرت ابو بکرؓ ہیں جن کے ہاتھ پر اکابر صحابہ اسلام لائے ان کے بعد حضرت عمرؓ ہیں اس میں حضرت علیؓ کا حصہ بہت کم ہے بہرحال سے جہاد کرنا اس میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کا حصہ ہے اور زیادہ حضرت عثمانؓ کا حضرت علیؓ کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ علامہ ابن حزم نے ایک قسم جہاد کی بوقت جنگ رائے و مشورہ کی بھی قرار دی ہے اور لکھا ہے کہ اس کو خالص ابو بکرؓ کے لئے پایا اس کے بعد عمرؓ کے لئے حضرت علیؓ کا اس میں بھی کوئی حصہ نہیں۔ چوتھی قسم جہاد کی نبرد آزمائی و نیزہ بازی و شمشیر زنی ہے اس کو وہ اس دلیل و برہان سے ادنیٰ جہاد قرار دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روئے زمین میں یقیناً سب انسانوں سے زیادہ بہادر و شجاع تھے اپنی ذات

---

[1] حضرت علیؓ کے والد ابو طالب اور بڑے چچا زبیر دونوں شاعر تھے۔ ابو طالب کے ندیم و گہرے دوست مسافر بن ابو عمرو بن امیہ تھے وہ اموی خاندان کے اچھے شاعر تھے ایک سفر تجارت میں حیرہ گئے تھے وہیں انتقال کر گئے ابو طالب نے اپنے اموی دوست کا مرثیہ کہا تھا جو متعدد کتب میں درج ہے (کتاب نسب قریش صـ۱۳۲)

سے بھی اور ہاتھ سے بھی۔ آپ تمام انسانوں سے زیادہ بہادری کے ساتھ دشوار سے دشوار امور انجام دینے والے تھے۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت و تبلیغ کو اور رائے و تدبیر کو اختیار فرمایا۔ باہمی جنگ و تیغ زنی و نیزہ بازی آپ کا قلیل ترین عمل تھا اور وہ بھی دفاعی۔ غزوات نبوی کے واقعات شاہد ہیں کہ انسانی خون کی حرمت کا اس درجہ پاس و لحاظ فرمایا کہ تمام دفاعی جنگوں میں جو تقریباً دس سال کی مدت میں ہوئیں اور لاکھوں میل مربع سرزمین پر غلبہ و تسلط حاصل ہوا، دشمن کے چند سو نفوس سے زیادہ ہلاک نہیں ہوئے۔ سب سے پہلی جنگ بدر کی تھی اس میں دشمن کے مقتولین کی تعداد (۷۰) تھی اور یہی تعداد سب سے زیادہ تھی جو ایک جنگ میں ہوئی۔ اس جنگ میں حضرت علیؓ بڑی بہادری اور بے جگری سے نبرد آزما تھے اسکا رہائے نمایاں انجام دئے۔ ایک مرتبہ اپنے صاحبزادے حسنؓ سے فرمایا تھا کہ ان اباک لا یبالی ان وقع علی الموت او وقع الموت علیہ (شرح ابن ابی الحدید ص۲۶۵) تمہارے باپ کو جنگ میں اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ میں موت پر گروں یا موت مجھ پر۔ جو ایسی بے جگری سے لڑے بلاشبہ دشمن کو زیر کرے گا۔ سوائے غزوہ تبوک کے سب غزوات میں شریک رہے اور شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے، علامہ ابن حزم لکھتے ہیں کہ:۔

"ہم نے علیؓ کو اس فضیلت میں بھی یکتا نہیں پایا بلکہ اس میں بھی دوسرے لوگ ان کے برابر کے شریک ہیں مثلاً طلحہؓ و زبیرؓ و سعدؓ اور وہ لوگ جو شروع اسلام میں قتل ہوئے مثلاً حمزہؓ و عبیدہؓ بن الحارث و مصعبؓ بن عمیر اور انصار میں سعدؓ بن معاذ و سماکؓ بن خرشہ (ابو دجانہؓ) (الملل والنحل ص۹۵)

حضرت علیؓ کی جہادی نبرد آزمائیوں کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے مثلاً خیبر کے واقعات کے سلسلہ میں۔ خیبر کے کل دس قلعے تھے۔ سات قلعے تو دائرہ کی شکل میں پہاڑی سلسلہ کے اندر واقع تھے اور تین باہر ان میں سے صرف ایک قلعہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر فتح ہوا تھا۔

دوسرے نو قلعے دیگر صحابہ حضرت عمرؓ، سعد بن عبادہؓ، محمود بن مسلمہؓ ان کے بھائی محمد بن مسلمہؓ، حباب بن منذرؓ وغیرہ کے ہاتھ پر فتح ہوئے تھے۔ محمدؓ بن مسلمہ ہی نے قلعہ قموص کے یہودی پہلوان مرحب کو قتل کیا تھا (طبری ص۹۳ ج۳) مگر قلعہ فتح نہ کر سکے۔ قلعہ قموص جس سلسلہ قلعہ جات میں

واقع تھا، اس میں تین قلعے تھے ایک حضرت ابوبکرؓ کے زیر کمان فتح ہوا اور دوسرا حضرت عمرؓ کے زیر کمان اور تیسرا قلعہ قموص حضرت محمد بن مسلمہؓ کے بعد حضرت علیؓ نے فتح کیا جو حضرت عمرؓ کے ٹوپڑن کے علمبردار تھے۔

علامہ ابن جریر طبری نے قلعہ قموص کی فتح کے لئے حضرت علیؓ کو جھنڈا عطا ہونے کی جو روایت درج کی ہے کہ حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھی ناکام لوٹ آئے رسول اللہ صلعم سے حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں کی نامردی کی شکایت کی اور ساتھیوں نے خود ان کی نسبت بھی یہی شکایت کی آپ نے فرمایا، کل اس شخص کو جھنڈا عطا کیا جائے گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں چنانچہ صبح کو جھنڈا حضرت علیؓ کو عطا ہوا۔ اس روایت میں یہ فقرہ قابل لحاظ ہے کہ "تطاول لھا ابوبکر و عمر فدعا علیا علیہ السلام"[1] یعنی ابوبکر و عمر (جھنڈا عطا ہونے کی) غلط آس لگائے تھے پس آپ نے علی علیہ السلام کو طلب کیا۔ الی آخرہ۔ روایت کا نفس مضمون اور شیعہ شعار کے مطابق "علی علیہ السلام" کا بار بار دوہرانا ہی راویوں کی ذہنیت کا آئینہ دار ہے راویوں کا سلسلہ سند بھی ذرا ملاحظہ ہو۔

قال حدثنا عوف عن میمون ابی عبد اللہ ان عبد اللہ بن بریدہ حدثنا عن بریدۃ الاسلمی۔ عوف راوی کے بارے میں امام ذہبی نے محدث بندار کا قول نقل کیا ہے۔ کان عوف قدریا رافضیا شیطانا (میزان الاعتدال ص۳۰۹ ج۲) یعنی عوف قدری اور رافضی شیطان تھا پھر اس شخص نے میمون ابو عبد اللہ سے روایت کی ہے جس کے

---

[1] طبری کی روایت میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے اسمائے گرامی تو محض "ابوبکر و عمر" لکھے گئے ہیں حضرت علیؓ کا نام علیہ السلام کے ساتھ دو جگہ لکھا ہے نیز دوسری روایت میں بھی جو اسی کے بعد درج کی ہے یہی طرز ہے یعنی "ان ابا بکر اخذ رایۃ ...... ثم رجع فاخذ ھا عمر ...... ثم رجع (ص۹۳) یعنی ابوبکر جھنڈا لے کر گئے لڑے اور ناکام لوٹ آئے پھر عمر لے کر گئے ...... لوٹ آئے جہاں حضرت علیؓ کا ذکر کیا ہے۔ دو جگہ ان کا نام علیہ السلام کے ساتھ تحریر کیا ہے: "علی علیہ السلام، فجاء علی علیہ السلام" (ص۹۳) علامہ شبلی نے بھی غالباً علامہ ابن جریر طبری ہی کی تقلید میں حضرت علیؓ کے اسم گرامی کے ساتھ "علیہ السلام" لکھنے اور "جناب امیر و جناب امیر علیہ السلام" تحریر کرنے کا طرز اختیار کر لیا ہو۔

متعلق امام احمد کہتے ہیں کہ احادیث میں منا کیر ابن معین نے کہا ہے کہ وہ لاشئی تھا اور شعبہ فرماتے ہیں کہ وہ کمینہ خصلت تھا پس ایسے کمینہ خصلت اور رافضی شیطان کی روایت جو شیخین کی منقصت اور حضرت علیؓ کی منقبت کا اظہار کرتی ہو اس کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے علامہ شبلیؒ نے فتح خیبر کے سلسلہ میں اس روایت پر کہ حضرت علیؓ کے ہاتھ سے سپر چھوٹ کر گر پڑی، آپ نے قلعہ کا دروازہ جو سرتاپا یا تہ سنگ تھا اکھاڑ کر اس سے سپر کا کام لیا، اس واقعہ کے بعد ابو رافع نے سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اس کو اٹھانا چاہا تو جگہ سے نہ ہل سکا۔ یہ ریمارک کیا ہے کہ "بازاری قصے ہیں علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ میں تصریح کی ہے کہ کلھا واہیۃ" یعنی سب لغو روایتیں ہیں (سیرۃ النبی ص۴۸۸ ج ۱) مگر لغو روایتوں کا وہ حصہ قبول کر لیا جس میں حضرت ابوبکر و عمرؓ و اکابر صحابہ کے ناکام رہنے کا جھوٹا بیان ہے۔ یہ راوی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا اکثر اول نام لیتے ہیں ان کی ناکامی و جبن کا ذکر کرتے ہیں پھر ان کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کو لاتے ہیں اور ان کی فضیلت اور کامیابی کا اظہار کرتے ہیں اور تو اور حضرت فاطمہؓ کے پیام دینے میں بھی پہلے ان ہی دونوں حضرات کے نام لیتے ہیں۔[1]

---

[1] حضرت فاطمہؓ کے پیام نکاح کے بارے میں بھی راویوں نے اول ابوبکرؓ کا نام لیا ہے کہ انہوں نے پیام دیا انکار ہوا، عمرؓ نے پیام دیا انہیں بھی انکار ہوا علیؓ نے پیام دیا قبول ہو گیا عروہ بن الزبیرؓ کی سند سے ابو عبیدہ بن الجراحؓ کی روایت سے بیان ہوا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فاطمہؓ کے نکاح کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ سے مشورہ کیا تھا انہوں نے علیؓ کا نام پیش کیا اس پر آنحضرت نے فرمایا کہ فاطمہ کے لئے مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ انی اذکرہ لفاطمۃ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ آپ نے علیؓ کی پرورش کی ہے یہ شادی مبارک ہو گی پھر آپ نے منظور فرما لیا تھا۔ میاں بیوی کی طبیعتوں میں موافقت نہ ہونے کی وجہ تھی کہ علیؓ نے دختر ابوجہل کو پیام دیا فاطمہؓ نے آنحضرت سے شکایت کی آپ نے غصہ سے فرمایا لا آذن لا آذن لا آذن میں کبھی اس کی اجازت نہ دوں گا، سوائے اس کے کہ ابن ابی طالب میری دختر کو طلاق دیں وہ اپنے ارادہ سے باز رہے آنحضرت صلعم کے کچھ عرصہ بعد ہی وفات ہوئی۔ حضرت علیؓ نے ان کی تدفین میں عجلت کی حضرت ابوبکرؓ کو جو خلیفہ وقت تھے خبر بھی نہ کی راتوں ہی میں دفن کر دیا۔ ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ کسی نے جناب جعفر صادق سے پوچھا کہ بچہ سبب حضرت امیر المومنینؑ فاطمہ را در شب دفن کرد (ص۱۷۱ جلاء العیون) اس کے جواب میں بھی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ دونوں کے نام لے کر کہا ہے کہ فاطمہ نے وصیت کی تھی کہ یہ آن دو مرد اعرابی کہ ہرگز ایمان بخدا و رسول نیاوردہ بودند یعنی ابوبکر و عمر بر او نماز نکنند (الخ) اس سے زیادہ اور کیا لغو بیانی ہو سکتی اگر ابوبکرؓ و عمرؓ کا ایمان نہ تھا تو پھر اور کس کا تھا۔

سیاست میں ناکامی

اپنی سیاسی ناکامی کے متعلق تو خود حضرت موصوف ہی کا ایک قول منقول ہے کسی نے پوچھا تھا اس کی کیا وجہ کہ آپ کے پیش رو خلفاء کی سیاست امت کے مفادات کے اعتبار سے کامیاب رہی اور آپ کی ناکام ہوئی فرمایا تھا کہ ان کی کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ ہم جیسے لوگ ان کے ساتھ تھے اور اب تم جیسے لوگ ہمارے ساتھ ہو، یہ قول ان کا نہ بھی ہو بلکہ غلط منسوب ہو مگر ہے حقیقت پر مبنی۔ ان کے بیشتر مشیر و معاون و معتمد علیہ عراقی تھے، جو ابن الوقت تھے علاوہ بریں وہ خود بھی اپنی رائے پر قائم نہ رہتے جیسا کہ پچھلے اوراق میں ضمناً بیان ہوا کہ صفین کے معاملہ میں اپنی سابق رائے پر قائم نہ رہے جس کا نتیجہ انہیں کے حق میں خراب نکلا، اپنی تقریروں میں انہوں نے اس کا اظہار بار بار کیا ہے۔ اپنے لوگوں سے شکوہ کیا ہے اور کہا ہے۔

"تم لوگوں نے مجھے اپنی رائے پر مستقیم نہیں رہنے دیا، اس قدر نافرمانی کی کہ اہل قریش کہنے لگے کہ ابن ابی طالب بہادر ضرور ہیں مگر علم حرب کا نہیں رکھتے"
(نہج البلاغہ)

اگر قاتلین عثمانؓ اور بلوائیوں کی جماعت ان کی فوج میں شامل نہ ہوتی — اور مالک الاشتر وغیرہ کے مشوروں کا اثر نہ لیتے تو امت میں نہ قتال نہ جدال کی نوبت آتی اور نہ حضرت معاویہؓ اور دوسرے طالبان قصاص کے مطالبات کو ایسے الفاظ سے مسترد فرماتے جیسا ان کی بہت سے مراسلات سے واضح ہے جو مصنف نہج البلاغہ کے علاوہ کتاب الامامۃ والسیاسۃ اور شرح ابن الحدید وغیرہ میں درج ہیں مثلاً حضرت معاویہؓ نے حسب ذیل مکتوب حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی صحابی رسول اللہ کے ذریعہ حضرت علیؓ کو ان کے اس خط کے جواب میں بھیجا تھا، جس کا مضمون تھا کہ میری بیعت حجاز و عراق کے لوگوں نے کر لی ہے تم اور اہل شام بھی بیعت میں شامل ہو جاؤ:۔

من معاویۃ بن صخر الی علی بن ابی طالب!	مکتوب معاویہ بن صخر (ابوسفیان) بنام علی بن ابی طالب۔
اما بعد! فلعمری لو بایعک القوم الذین بایعوک وانت بریٔ من دم عثمان کنت کابی بکر و عمر و عثمان رضی اللہ	اما بعد۔ بخدا تم سے جن لوگوں نے بیعت کی ہے اگر وہ یہ بیعت اس حال میں کرتے کہ تم خون عثمان سے بری ہوتے تو تمہارا مقام وہی ہوتا

عنهم ولكنك اغريت بعثمان المهاجرين
وخذلت عنه الانصار فاطاعك
الجاهل وقوي بك الضعيف وقد
ابى اهل الشام الا قتالك حتى تدفع
اليهم قتلة عثمان فان فعلت كانت
الشورى بين المسلمين ولعمري ما
حجتك علي كحجتك على طلحة والزبير
لانهما بايعاك ولم ابايعك وما
حجتك على اهل الشام كحجتك على اهل
العراق لان اهل العراق اطاعوك
ولم يطعوك اهل الشام واما
شرفك في الاسلام وقرابتك من
رسول الله صلى الله عليه وسلم وموضعك
من قريش فلست ادفعه۔

.. ..

.. ..

.. ..

جو ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کا تھا لیکن
تم نے عثمانؓ کے برخلاف مہاجرین کو مشتعل کیا
اور انصار کو ان کی مدد کرنے دی، پس
تمہاری اطاعت جاہل نے کی اور کمزور لوگ
تمہاری وجہ سے قوی ہو گئے اور یقیناً اہل
شام تم سے اس وقت بر سر پیکار رہنا چاہتے
ہیں جب تک کہ تم قاتلین عثمانؓ کو ان کے
حوالہ نہ کر دو اگر تم نے ایسا کیا تو پھر (یہ
معاملہ) مسلمانوں کے شوریٰ کے سپرد ہوگا
اور بخدا تمہاری حجت مجھ پر ایسی نہیں ہے جیسی
طلحہؓ و زبیرؓ پر تھی کیونکہ انہوں نے تم سے بیعت
کی تھی لیکن میں نے تو تم سے بیعت نہیں کی۔
اسی طرح تم کو اہل شام پر وہ حجت نہیں ہے
جو اہل عراق پر ہے اس لئے کہ اہل عراق نے
تمہاری اطاعت کرلی ہے اور اہل شام نے تمہاری اطاعت
نہیں کی باقی رہا تمہارا شرف اسلام میں اور تمہاری قرابت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے اور قریش میں تمہارا مقام تو میں اس
کا منکر نہیں۔

حضرت معاویہؓ کا یہ خط نہایت منطقیانہ طرز کا ہے، اول تو قاتلان عثمانؓ کو حوالے کر دو تاکہ قصاص لیا جائے پھر شوریٰ کیا جائے، شرف علیؓ کا انکار نہیں اور نہ رسول اللہؐ سے ان کی قرابت کا اور نہ ان کی منزلت کا جو قریش میں ان کو حاصل تھی لیکن حقوق اللہ ان سب پر مقدم ہیں۔ اس خط میں یا دوسرے خطوط میں حضرت معاویہؓ نے اپنے اس شرف کا اشارۃً بھی ذکر نہیں کیا جو ان کے باپ کے گھر کو بوقت فتح کعبہ کی طرح دار الامان قرار دئے جانے سے حاصل تھا یا اپنی بہن کے بوجہ زوجہ رسول اللہؐ ہونے سے وہ خود خال المومنین تھے ان کے والد اور بھائی اور خود ان کو عہد رسالت میں عمال حکومت ہونے کا جو شرف اور خلافت شیخین کے زمانہ

میں مملکت اسلامیہ کے وسیع رقبہ پر حکمرانی کرنے سے جو امتیاز حاصل تھا اس کا خفیف سا اشارہ بھی نہیں کیا اور نہ حضرت علیؓ کے کسی شرف سے انکار کیا کیونکہ ان کے کسی شرف کو تسلیم کرنے سے نہ اہل شام و اہل عراق پر کوئی اثر پڑتا تھا اور نہ خود ان کی اپنی ذات پر انہوں نے اپنے اس خط اور دوسری تحریرات میں عقل و منطق سے، بیان قوی اور اسلوب فصیح سے کام لیا ہے۔ حضرت علیؓ کے جواب سے اپنے مخالف پر نہ صرف غیظ و غضب کا اظہار ہوتا ہے بلکہ صریحاً تذلیل و تنقیص کا۔ ان کو طلیق ابن طلیق کہا ہے اور فرمایا ہے واعلم انک من الطلقاء الذین لا تحل لهم الخلافة (یہ جان رکھو کہ تم طلقاء میں سے ہو جن کے لئے خلافت جائز نہیں) حالانکہ اس وقت تک یا اس کے بعد بھی حضرت معاویہؓ نے صراحتاً یا کنایتاً طلب خلافت کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔ حضرت علیؓ جیسے جلیل القدر صحابی کا جو احترام راقم الحروف کے دل میں ہے کس طرح باور ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی تحریر میں اس درجہ دشنام دہی کی ہوگی یا سنجیدگی و تہذیب سے گرے ہوئے الفاظ و جملے استعمال کئے ہوں گے جو مصنف نہج البلاغہ وغیرہ نے ان کے مکتوبات میں درج کئے ہیں جس آیت کا اشارہ حضرت علیؓ کے جواب میں ہے اس کا اطلاق مومنین پر نہیں منکرین و منافقین پر ہوتا ہے یعنی لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِن قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَارِهُونَ (سورہ توبہ) (یقیناً وہ کرتے رہے ہیں تلاش بگاڑ کی پہلے سے اور تمہارے خلاف سازش کی تدبیر سوچتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا حکم غالب رہا اگرچہ وہ لوگ اس سے کراہت کرتے رہے) حضرت موصوف کے مکتوبات کے علاوہ ابن جریر طبری نے جو تقریریں درج کی ہیں ان میں حضرت معاویہؓ اور ان کے والد ماجد حضرت ابوسفیانؓ کو اللہ و رسول کا دشمن بتا کر کہا ہے کہ یہ لوگ اسلام میں مجبوراً داخل ہوئے تھے لم یزل اللہ عز وجل ولرسوله وللمسلمین عدوا هو وابوه حتى دخلا فى الاسلام کارهین (طبری ص۳ ج۶) طبری کے علاوہ دیگر کتب میں جو خطبات حضرت علیؓ سے منسوب ہیں یا مولف الامامة والسیاسة اور احمد زکی صفوت نے جمهرة خطب العرب فی عصور العربیة الزاهرة میں درج کئے ہیں۔ ان میں ایسے کلمات حضرت ممدوح کی زبان سے ادا کرائے ہیں کہ اپنے سیاسی مخالفین کو وہ بار بار "الطلقاء وابناء الطلقاء" اعداء السنة والقرآن کا طعنہ دیتے اور اپنی عظیم منزلت اور فضل کا اظہار کرتے اور یہ کہہ کر اپنے لشکریوں کو اہل شام

سے لڑنے پر آمادہ کرتے تھے کہ :-

سیروا الی اعداء اللہ، سیروا الی اعداء القرآن والسنن، سیروا الی بقیۃ الاحزاب وقتلۃ المہاجرین والانصار۔

چلو دشمنان خدا سے مقابلہ کو، چلو قرآن اور سنت کے دشمنوں سے لڑنے کو، چلو باقی ماندہ مددگاران دشمنان اسلام اور مہاجرین وانصار کے قاتلوں سے جنگ کرنے کو۔

. . . .

(جمہرۃ خطب)

مگر یہ معاملہ تو محض سیاسی نوعیت کا تھا، کفر و اسلام کا اس میں سوال ہی کیا تھا۔ بقول شاہ ولی اللہ محدث مقاتلات وے (علیؓ) برائے طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام۔ لوگوں کے مذہبی جذبات سے اپیل کرنا نتیجہ میں بے سود رہا، حضرت معاویہؓ نے بھی اہل شام کے سامنے تقریریں کیں وہ زبردست خطیب تھے اور فصاحت جو لازمہ سرداری و سیادت ہے ان میں بدرجہ اتم موجود تھی جب حضرت علیؓ نے عراقیوں کے لشکر عظیم کے ساتھ ملک شام کی جانب خروج کیا، حضرت معاویہؓ نے جس تقریر میں اہل شام سے خطاب کیا تھا اس کے چند جملے کتب تاریخ میں محفوظ ہیں۔

انہوں نے حمد و ثنا[1] کے بعد فرمایا تھا :-

انظروا یا اہل الشام انکم غدا تلقون اہل العراق فکونوا علی احدی ثلاث

دیکھو اے اہل شام! کل صبح اہل عراق سے تم مقابلہ کرنے والے ہو ان تین میں سے کسی حیثیت

[1] حمد و ثنا تو سب ہی کرتے ہیں حضرت معاویہؓ نے موقع کے اعتبار سے حمد و ثنا کے جو جملے کمال فصاحت و بلاغت سے اس تقریر کے شروع میں کہے تھے ان کی حلاوت ترجمہ میں باقی نہیں رہتی فرمایا تھا۔ الحمد للہ الذی دنا فی علوہ وعلا فی دنوہ وظہر وبطن، وارتفع فوق کل ذی منظر هو الاول والآخر، والظاہر والباطن، یقضی فیفصل ویقدر فیغفر ویفعل ما یشاء اذا اراد امرا امضاہ واذا عزم علی شیء قضاہ لا یؤامر (لا یستشیر) احدا فیما یملک ولا یسأل عما یفعل وهم یسألون والحمد للہ رب العالمین علی ما احببنا وکرہنا وقد کان فیما قضاہ اللہ ان ساقتنا المقادیر الی ہذہ البقعۃ من الارض ولفت (جمعت) بیننا وبین اہل العراق فنحن من اللہ بمنظر وقد قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: ولو شاء اللہ ما اقتتلوا ولکن اللہ یفعل ما یرید۔

خصال: اما ان تکونوا طلبتم ما عند اللہ فی قتال قوم بغوا علیکم فاقبلوا من بلادہم حتی نزلوا بیضتکم واما ان تکونوا قوما تطلبون بدم خلیفتکم و صہر نبیکم واما ان تکونوا قوما تذبون (تدافعون) عن نسائکم وابنائکم فعلیکم بتقوی اللہ والصبر الجمیل و اسألوا اللہ لنا ولکم النصر وان یفتح بیننا وبین قومنا بالحق وهو خیر الفاتحین۔

(الادب الخلفاء الاموی)

سے مقابلہ کرو گے یا تو تم طلب کرنے والے ہو اس چیز (فتح) کو جو اللہ کے پاس ہے اس قوم سے قتال کرنے میں جنہوں نے تم پر بغاوت کی ہے اور اپنے ملک سے تم پر چڑھ کر آئے ہیں حتی کہ تمہاری سرزمین پر اتر آئے ہیں، یا تم ایک ایسی قوم (کی حیثیت میں ہو) جو طلب کرتے ہو اپنے ایسے خلیفہ کے خون کا قصاص جو تمہارے نبی صلعم کے داماد تھے یا پھر تم وہ قوم ہو جو اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کی مدافعت وحفاظت (کرنے کے لئے نبرد آزما) ہو بہرحال تم کو تقوی الٰہی اور صبر جمیل پر ہر حال میں جمے رہنا چاہئے اور اللہ سے ہمارے اور اپنے لئے مدد کے طلبگار رہو اللہ تعالیٰ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان صحیح فیصلہ کر دے اور وہی اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔

. . . .

اس خطبہ میں حضرت معاویہؓ نے غایت بلاغت سے عصبیت قبائلی سے اول کام لیا ہے یعنی اہل شام او اہل عراق کے مقابلہ کا ذکر کیا ہے حضرت علیؓ کی جانب اشارۃ تک نہیں کیا اہل شام کے سامنے عراقیوں کے ملک شام پر چڑھائی کرنے کا تذکرہ کیا ہے، اس کے بعد خلیفہ مظلوم شہید (عثمانؓ) کے قصاص کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہونے کو یاد دلایا ہے۔ یہی کمال فصاحت ہے۔ مقابلے میں جو شخص ہے اس کا نام تک نہ لیا پھر لوگوں کے دلوں میں عورتوں اور بچوں کی مدافعت اور حفاظت کے جذبہ کو ابھارا ہے کیونکہ یہی وہ امور ہیں جن کے بچاؤ کے لئے مرد شجاع جان دینے پر آمادہ ہوتا ہے۔ تقریر میں نہ حریف کی کوئی تنقیص کی اور نہ اپنے کسی شرف کا اظہار کیا۔ اصل معاملہ سے سرمو تجاوز نہ کیا علیؓ کی جانب سے حریف کی تنقیص اپنی بڑائی اور حریف کے بزرگوں وعزیزوں نے بحالت کفر جو اسلام کی مخالفت کی تھی اس کا بار بار ذکر کیا ہی یہ امور اصل معاملہ سے قطعاً غیر متعلق تھے ایسی باتوں کا الٹا اثر ہوا خانہ جنگی کے نتیجہ میں جو بد مزگیاں وجود میں آئیں انہی باتوں کو اب دو رنگ کے ساتھ دہرانے کا مشغلہ اختیار کیا گیا۔ ابن ابی الحدید نے اس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہ فضائل اور مناقب و مطاعن

کی حدیثیں وضع کرنے کی ابتداء حضرت علیؓ کی پارٹی کی جانب سے ہوئی جس کے جواب میں طرفداران ابوبکرؓ نے بھی وضع کیں یعنی مسلمانوں کے سواد اعظم نے جن کو "البکریہ" سے موسوم کرتے ہیں، لکھا ہے کہ "البکریہ" نے حضرت علیؓ اور ان کے صاحبزادوں کے مطاعن وضع کئے اور:۔

ونسبوہ الی ضعف العقل و تارۃً الی ضعف السیاسۃ وتارۃً الی حب الدنیا والحرص علیہا۔ (شرح ابن ابی الحدید صـ۵۸۳ ج)	اور ان کو (علیؓ کو) ضعف العقل سے کبھی ضعف السیاست سے اور کبھی حب دنیا اور اس کے حریص ہونے سے نسبت دی۔

سیاست میں ضعف جن اسباب سے پیدا ہوا وہ پوشیدہ نہیں لیکن ضعف عقل و حب دنیا کا الزام صحیح نہیں حضرت علیؓ پاکیزہ سیرت ذی علم وذی فہم تھے اگرچہ فراست وفرزانگی کا وہ اعلیٰ مرتبہ حاصل نہ تھا جو ان کے بعض ممتاز ہمعصروں کو حاصل تھا حضرت علیؓ کے پاس ابتداً میں مال نہ تھا ان کی خدمات کے صلہ میں آنحضورؐ نے املاک عطا کی تھیں اس کے بعد خلفائے راشدین کی خلافتوں میں مال غنائم میں ان کو حصہ ملا۔ علامہ ابن حزم نے مال ولذات کے زہد کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے حضرت ابوبکر الصدیقؓ کو صحابہ میں ازہد الناس ثابت کیا ہے اور لکھا ہے کہ علیؓ یا کوئی اور صحابی بجز ابوذرؓ و ابوعبیدہؓ کے حضرت صدیقؓ کے اس بارے میں ہم پلہ نہ تھا۔ وہ فرماتے ہیں:۔

"علیؓ نے اس باب میں حلال طریقے سے وسعت حاصل کی اپنی وفات کے وقت چار بیویاں اور انیس کنیزیں (ام ولد) چھوڑ گئے اور بہت سے خادم و غلام ان کے علاوہ تھے۔ وفات کے وقت وہ چوبیس بیٹے بیٹیاں چھوڑ گئے جن کے لئے اتنی جائداد اور باغات چھوڑ گئے کہ یہ لوگ اپنی قوم کے اغنیاء میں ہو گئے۔ یہ وہ امر ہے جس کے انکار پر وہ شخص قادر نہیں جسے تاریخ کا کچھ بھی علم ہے۔ منجملہ ان کی اس جائداد کے جسے انہوں نے وقف کیا تھا (وقف علی الاولاد) ایک جائداد ایسی بھی تھی جس کی آمدنی ایک ہزار وسق کھجور تھی (وسق ۶ صاع کا اور صاع تقریباً ۳ ½ سیر کا ہوتا ہے) جو اس کی زراعت کے علاوہ تھی۔"

(الملل والنحل)

حُبّ دنیا سے مراد حُبّ جاہ ہے ہو تو مذموم نہیں اللھم اجعلنی فی عینی صغیرًا و فی عین الناس کبیرًا اس پر دال ہے، حکمرانی و خلافت کی خواہش اگر دین وملت کی خدمت کے جذبۂ صادقہ سے ہو تو معیوب نہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم کہہ کر آخر خواہش حکومت فرمائی تھی۔ قرآن شریف میں بادشاہ وحکمران ہونے کو اللہ نے نعمت فرمایا ہے۔ یاقوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء و جعلکم ملوکا۔ خلافت کی خواہش کرنا حضرت علیؓ کے لئے موجب اعتراض کا نہیں ہو سکتی اور نہ حضرت معاویہؓ کے لئے باعث تنقیص، ذرائع حصول پر البتہ تنقید کی جا سکتی ہے حضرت علیؓ کی سیاست کی ناکامی کا قوی سبب جیسا ابھی ذکر ہوا عراقی پارٹی کا ان کی سیاست میں دخیل ہونا تھا جس کی وجہ سے وہ خون عثمانؓ کا قصاص نہ لے سکے تھے اسی کے سارے جھگڑے تھے۔

علیؓ و معاویہؓ	اس بات کو تو سب ہی جانتے ہیں کہ علیؓ و معاویہؓ ایک ہی خاندان بنو عبد مناف کے ممتاز افراد تھے۔ حضرت علیؓ کے دادا عبد المطلب

اور حضرت معاویہؓ کے دادا حرب رشتہ میں چچا بھتیجے تھے، خاندانی قرابت، طبیعت کی مناسبت اور ذاتی وجاہت کے سبب دونوں میں بڑی یگانگت اور دوستانہ تھا یعنی آپس میں ندیم تھے[1] حضرت معاویہؓ کے والد حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت علیؓ کے چچا حضرت عباسؓ میں بھی اپنی خصوصیات کی وجہ سے بڑی محبت اور دوستی تھی، حضرت معاویہؓ کی پھوپی ام جمیل (حمالۃ الحطب) زوجہ ابولہب بن عبد المطلب حضرت علیؓ کی چچی تھی۔ ان تعلقات کے علاوہ علیؓ و معاویہؓ ہم سن اور ہمعمر بھی تھے[2] بچپن سے آغاز شباب تک دونوں ساتھ رہے، ساتھ کھیلے،

[1] قدیم ترین مورخ ابوجعفر محمد بن حبیب مولف کتاب المحبر نے "الندماء من قریش" کے تحت عنوان قریش کے مختلف گھرانوں کے ۲۴ اشخاص کی فہرست درج کی ہے جو آپس میں ندیم یعنی گہرے دوست تھے ان میں ہاشمی اور اموی خاندانوں میں ندماء کے یہ نام درج ہیں:۔ (۱) عبد المطلب بن ہاشم کے ندیم حرب بن امیہ (۲) ابوطالب بن عبد المطلب کے مسافر بن عمرو بن امیہ (۳) عباس بن عبد المطلب کے ابوسفیان بن حرب بن امیہ (۴) الحارث بن عبد المطلب کے حارث بن حرب بن امیہ (کتاب المحبر صـ۱۷۵ وصـ۱۷۶)

[2] سنہ ۶۰ھ میں جب حضرت معاویہؓ کی وفات ہوئی ۷۸ برس کا سن تھا، حضرت علیؓ سنہ ۴۰ھ میں مقتول ہوئے اس وقت وہ ۵۸ برس کے تھے۔ اگر بیس برس اور زندہ رہتے تو سنہ ۶۰ھ میں ان کی عمر بھی حضرت معاویہؓ کی طرح ۷۸ برس کی ہوتی۔

ساتھ چلے بڑھے۔ حضرت معاویہؓ و عمرو بن العاصؓ وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے خود حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا۔ جسے راوی نے تفصیلاً بیان کیا ہے کہ میں ان لوگوں کو تم سے زیادہ جانتا ہوں، بچپن میں بھی ان کے ساتھ رہا اور بڑے ہو کر بھی (انی اعرف بھم منکم صحبتھم اطفالاً و صحبتھم رجالاً) کتاب وقعۃ صفین ص۵۶) حضرت معاویہؓ کا گھرانا دنیاوی اعزاز، دولت و ثروت، بھائی بندوں کی تعداد کے اعتبار سے بنو عبد مناف میں سینئیر (بڑا) گھرانا تھا اور حضرت علیؓ کا ہاشمی گھرانا اس لحاظ سے جونئیر (چھوٹا) تھا۔ قریش کے قومی اعزازات میں بڑا اعزاز "عقاب" کا تھا جو عبد شمس کے بیٹوں میں امیہ کو اور امیہ کے بعد حضرت معاویہؓ کے دادا اور باپ کو یکے بعد دیگرے حاصل رہا۔ میدان جنگ میں سارے قریشی گھرانے بشمول بنی ہاشم سب اسی جھنڈے تلے جمع ہوتے تھے۔ عکاظ، نجار اول و دوئم ذات نکیف کی جنگوں میں اسی جھنڈے کے نیچے سب قریش موجود تھے۔ ظہور اسلام کے زمانے میں ابوسفیانؓ قریش کے رئیس اعظم تھے، جنگ بدر سے پہلے وہ قافلہ تجارت لے کر ملک شام گئے ہوئے تھے اس لئے اس جنگ میں ان کے بجائے حضرت معاویہؓ کے نانا عتبہ بن ربیعہ نے سپہ سالاری کے فرائض انجام دیئے تھے۔ احد، خندق کے معرکوں میں ابوسفیان ہی قریش کے آگے آگے رہے۔ ان کو اسلام سے کوئی خاص عداوت نہ تھی البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص مخالفت۔ ان کی مخالفت کا بڑا سبب یہی قومی عہدہ تھا، مسلمانوں کے علاوہ قریش کے مقابل کوئی اور ہوتا تب بھی ابوسفیانؓ اسی مستعدی سے مقابلہ کرتے۔ طبقات ابن سعد کے علاوہ کتاب المحبر کے قدیم مولف نے بھی اپنی کتاب میں دو جداگانہ فہرستیں قریش کے ان اشخاص کی درج کی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی اور ایذا رسانی میں سرگرم رہتے ان میں ابوسفیان یا ان کے اپنے گھرانے کے کسی ایک شخص کا بھی نام نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت ابو سفیانؓ کا اسلام آنحضرت صلعم کی دعا کا نتیجہ تھا، آپ نے ان کے حق میں ہاتھ اٹھا کر اس وقت دعا کی تھی جب ابوجہل کے مقابلہ میں ان کے نیک سلوک کی جو آپ کی صاحبزادی سے کیا تھا اطلاع ہوئی تھی اور فرمایا تھا اللھم لاتنسھا لابی سفیان (سیرۃ النبویہ احمد دحلان) وہ ام المومنین ام حبیبہؓ کے والد ہیں اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ انی سالت اللہ لا یدخل النار ابداً من صاھرنی او صاھرتہ۔ میں نے اللہ تعالےٰ سے یہ چاہا ہے کہ جو مجھ سے رشتہ کرے یا میں اس سے رشتہ کروں اسے داخل نار نہ کیجیو حضرت ابوسفیانؓ

فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے مہاجرین کے زمرہ میں شامل ہوئے پھر آپ کے ساتھ غزوہ طائف میں شریک ہوئے اس لڑائی میں ایک آنکھ جاتی رہی پھر دوسری غزوہ یرموک میں اللہ کی راہ میں نذر کی، اس جہاد میں پرجوش تقریروں سے انہوں نے مجاہدین کی ہمت بڑھائی تھی کہتے جاتے تھے **ھذا یوم من ایام اللہ انصروا دین اللہ ینصر کم اللہ** ان کا سب خاندان بیٹے اور بیوی رومی عیسائیوں کے خلاف موجود تھے' آپؐ نے حنین کے مال غنایم میں ان کو ان کے صاجزادوں کو بڑا حصہ دیا پھر ان کو نجران کا والی مقرر فرمایا۔ حضرت معاویہؓ اپنے والدین کے اسلام لانے سے پہلے اسلام لائے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ اور چند دیگر نوجوانان قریش کے ساتھ آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے

کان اسلم قبل ابیہ ابی سفیان و صحب النبی صلعم و کتب لہ۔ (تاریخ الخمیس ص۳۳۱ ج۲)	**اور (معاویہؓ) اپنے والد ابوسفیان سے پہلے اسلام لائے نبی صلعم کی خدمت میں رہے اور آپ کے کاتب تھے۔**

صلح حدیبیہ کے دن یا اس کے بعد ان کا اسلام لانا بعض معتبر کتب میں جو بیان ہوا ہے وہ زیادہ معتبر ہے۔ وہ لکھنا پڑھنا خوب جانتے تھے اہل مکہ نے لکھنے کا فن ان ہی کے گھر سے سیکھا تھا' حضرت معاویہؓ کی خوش نویسی کا بین ثبوت ہے کہ ان کے حاضر خدمت ہونے کے بعد سے آنحضرت صلعم کتابت کا کام زیادہ تر انہی سے لیتے۔ ایک مرتبہ آپ کچھ لکھوانا چاہتے تھے ان کو بلا بھیجا کھانا کھا رہے تھے آنے میں دیر ہوئی پھر بلوایا تو بھی کھانا کھا رہے تھے' کہا جاتا ہے آپ نے فرمایا **لا اشبع اللہ بطنہ** اللہ اس کا پیٹ کبھی نہ بھرے' بعض لوگوں نے اس کلمہ کو بہت کچھ اچھالا اور کہا ہے کہ آپ نے ناراضی سے یہ الفاظ کہے تھے مگر یہ بات خفگی کی نہ تھی عرب کے محاورے میں ایسے متعدد فقرے ہیں جو بلا قصد زبان پر جاری ہو جاتے ہیں جیسے آنحضورؐ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا تھا "**علی انف ابو ذر**"۔ علامہ نووی نے **لا اشبع اللہ** پر پوری بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ تو معاویہؓ کے حق میں دعا تھی **جعلہ غیرہ فی مناقب معاویہ لانہ فی الحقیقتہ یصیر دعاء لہ** (ص ۳۲۵ ج ۲) پھر محل بھی یہ کوئی بددعا کا نہ تھا اس سے تو کہیں آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ پر خفگی فرمائی تھی' **مثلاً**" ان کے ابوجہل کی بیٹی کو پیغام نکاح میں دینے میں جس کا ذکر اوپر گزر چکا یا تحفہ اثنا عشریہ اور نسائی (مطبوعہ کلکتہ صہ ۹۳) میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ آنحضور شب میں حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے دونوں میاں بیوی کو سوتے ہے

سے جگایا، نمازِ تہجد ادا کرنے کے لئے تاکید فرمائی حضرت علی رضؓ نے کہا واللہ لا نصلی الا ما کتب اللہ لنا و انما انفسنا بید اللہ۔ اللہ تعالے نے جو ہم پر فرض کیا ہے اس کے سوائے ہم اور نماز نہ پڑھیں گے، ہمارے دل اللہ کے اختیار میں ہے توفیق دے گا پڑھ لیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آزردہ خاطر ان کے یہاں سے واپس ہوتے راہ میں خود رامی کوفت دمی فرمود وکان الانسان اکثر شیٔ جدلا۔ یعنی انسان اور باتوں سے زیادہ سخن سازی میں مبتلا ہوتا ہے۔ لا شبع اللہ بطنہ کے راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں انہوں نے بھی اس کو بددعا نہیں سمجھا کیونکہ وہ حضرت معاویہؓ کے علم وفضل اور دیگر صفاتِ حسنہ کے ہمیشہ معترف رہے چنانچہ ان کے بارے میں وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ انہ فقیہ (بخاری) بہرحال حضرت معٰویہؓ کو سب ہی نے کاتبِ وحی لکھا ہے۔ تقریب التہذیب (ص۳۴۹) میں ہے معاویۃ بن ابی سفیان...... کاتب وحی کنز العمال (ص۳۹۵ ج۲) میں لکھا ہے کہ معاویہؓ نے علیؓ کو لکھا تھا انا صہر رسول اللہ وخال المومنین وکاتب وحی میں رسول اللہ کا برادر نسبتی ہوں مسلمانوں کا ماموں اور کاتبِ وحی ہوں الفخری نے آداب السلطانیہ (ص۱۳۵) میں لکھا ہے کتب الوحی فی جملۃ من کتبہ بین یدی رسول اللہ یعنی معاویہؓ ان کاتبانِ وحی میں تھے جو رسول اللہ صلعم کے پاس بیٹھ کر لکھتے تھے۔ اسی طرح معتدد مستند کتب فتح الباری (ص۴۲ جزو ۱۴) وغیرہ میں ان کا قبل فتح اور اپنے والدین سے پہلے اسلام لانا آپ کی صحبت میں رہنا اور کاتبانِ وحی میں شامل ہونا بیان ہوا ہے ابن حجر عسقلانی نے ان کے اسلام لانے کی متضاد روایتوں کی یوں تطبیق کی ہے:۔

انہ کان اسلم خفیۃ وکان یکتم ایمانہ ولم یتمکن علی اظہارہ الا یوم الفتح۔

(فتح الباری)

یعنی (حضرت معاویہؓ) مخفی طور پر (قبل فتح مکہ) اسلام لائے اور اپنے ایمان کو چھپائے رکھا اور فتح مکہ کے دن اپنا ایمان کھلم کھلا ظاہر کر سکے۔

حضرت معاویہؓ رسول اللہ صلعم کے ساتھ غزوہ حنین وطائف وتبوک میں پہلو بہ پہلو رہے تھے (طبقات ابن سعد) آنحضرتؐ نے جس طرح حضرت عباسؓ اور دوسرے مہاجرین کو مال غنیمت میں سے حصہ دیا حضرت معاویہؓ ان کے بھائی یزید بن ابی سفیانؓ کو بھی عطا

کیا۔ یہ ان کے مہاجر ہونے کا ثبوت ہے۔ طلقاء ومسلمۃ الفتح کے طعنے بعد کے زمانے میں وضع ہوئے۔ مولفۃ القلوب بھی ان کو کہا گیا۔ مولفۃ القلوب کا ترجمہ شاہ عبد القادرؒ نے "دل کا پرچانا" کیا ہے۔ حضرت عکرمہؓ بن ابوجہل، حارثؓ بن ہشام حکیمؓ بن حزام وغیرہ یہ سب مسلمۃ الفتح میں شامل تھے، مگر بعد میں کیسے قوی الایمان ثابت ہوئے حالانکہ ان میں سے عکرمہ وحارث وغیرہ جنگ احد وخندق میں آنحضرت صلعم کے مقابل آئے تھے حضرت معاویہؓ تو کبھی بھول کر بھی لسانا یا سنانا آپ کے مقابل نہیں آئے۔ ان کو ضعیف الایمان کہنا انصاف کا خون کرنا ہے۔ آبائی مذہب کو ترک کرکے اور اس وقت جب ان کے باپ سردار قریش کی حیثیت سے مسلمانوں سے برسرپیکار تھے حضرت معاویہؓ کا اسلام قبول کرنا ان کے صادق الایمان ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔ اللہ کے رسول کے نزدیک وہ اس درجہ قوی الایمان صادق وامین تھے کہ وحی الٰہی کی کتابت کی خدمت سپرد کی۔ آپ کے فیضِ صحبت سے آپ کی تعلیم سے ان جیسے غیر معمولی ذہین نوجوان نے تھوڑے ہی عرصہ میں وہ سب کچھ حاصل کر لیا جو دوسروں کو برسوں میں بھی حاصل نہ ہوا۔ چنانچہ آنحضورؐ نے تعلیمِ قرآن اور تبلیغ دین کے لئے ان ہی کو منتخب کیا اور حضرت وائل بن حجرؓ کے ساتھ حضرموت مقام پر بھیجا۔

وارسل معہ معاویۃ ابن ابی سفیان الی قومہ یعلمہم القرآن والاسلام۔

(الاعلام قاموس التراجم الزرکلی)

اور (آنحضورؐ نے) (ان کے وائل بن حجر کے) ساتھ معاویہ بن ابی سفیان کو بھیجا کہ ان کی قوم کو قرآن اور اسلام کی تعلیم دیں۔

حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت معاویہؓ اپنے بھائی حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کی امداد کے لئے ملک شام میں جہاں وہ رومیوں سے جہادوں میں مصروف تھے بھیجے گئے۔ صیدا، عرقہ، جبیل اور بیروت وغیرہ کی فتوحات میں مقدمۃ لشکر ان کی ماتحتی میں تھا۔ ساحلی علاقے کے بہت سے قلعے انہوں نے فتح کئے قیساریہ کا معرکہ جس میں اسی ہزار رومی عیسائی مارے گئے انہیں نے سر کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان کو اردن کا عامل مقرر کیا پھر جب ۱۸ھ میں ان کے بھائی حضرت یزیدؓ نے وفات پائی تو اردن کے ساتھ دمشق کی حکومت بھی ان کے سپرد ہوئی۔

جزع عمر علی یزید جزعا شدیدا

یزید (بن ابی سفیانؓ) کی موت پر حضرت عمرؓ

وکتب الی معاویۃ لولایۃ الشام (استیعاب ص۲۵۲ ج ۱) کو بہت رنج ہوا اور آپ نے معاویہؓ کی ولایت ملک شام کے بارے میں حکم جاری کر دیا۔

حضرت عمرؓ ان کے حسن کارگزاری کے اس قدر معترف تھے کہ ایک معاویہؓ ہی ایسے گورنر تھے کہ ان کا تبادلہ کبھی نہیں کیا تمام مدت خلافت میں ایک ہی جگہ برقرار رکھا۔ ان کے تدبر و حسن انتظام کی وجہ سے انہیں کسرئے عرب[1] کہا کرتے تھے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں پورا ملک شام جس میں حمص، دمشق، فلسطین اور اردن چاروں صوبے شامل تھے ان کے زیر حکومت تھا اس کے علاوہ آرمینیہ وانشیائے کوچک اور مصر تک ان کا حکم چلتا تھا، ان مقامات کے سپہ سالار اور بحری بیڑے کے افسر انہیں کے حکم کے مطابق جہاد کے لئے نکلتے تھے، انہوں نے ہی عظیم الشان اسلامی بیڑے جہازات عہد عثمانی میں تیار کرایا تھا یہی پہلا اسلامی بیڑے جہازات تھا جس کے ذریعہ حضرت معاویہ رضؓ نے نہ صرف جزیرہ قبرص فتح کیا بلکہ قسطنطنیہ کے جہاد میں اس سے کام لیا، ۵۲ھ میں جزیرہ روڈس، ۵۴ھ میں جزیرہ ارواد فتح کئے سسلی اور جزیرہ کریٹ پر حملے کئے گئے۔ اگر حضرت علیؓ و طلب خلافت کی خانہ جنگیاں نہ چھیڑ دیتے کچھ بعید نہ تھا کہ معاویہؓ اٹلی و روم کو فتح کر کے مسیحیت کے صدر مقام پر اسلامی جھنڈا گاڑ دیتے۔ جنگ صفین اور ثالثی کا مختصراً ذکر ہو چکا۔ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ شہادت علیؓ کے بعد ابتدائے تحریک صلح حضرت معاویہؓ کی طرف سے ہوئی۔ ان المعاویۃ بداء بطلب الصلح (فتح الباری ص۵۵۲) پھر لکھتے ہیں:۔

فیہ دلالۃ علی رأفتہ معاویۃ بالرعیۃ وشفقتہ علی المسلمین وقوۃ نظرہ فی تدبیر الملک ونظرہ فی العواقب (فتح الباری ایضاً) یعنی حضرت حسنؓ سے صلح کرنے کی ابتداء کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت معاویہؓ کے دل میں مسلمانوں کے ساتھ شفقت اور رعیت کے ساتھ بھلائی کا کیسا جذبہ صادقہ تھا اور ملک و سلطنت کے انتظامات نیز خانہ جنگی کے تلخ نتائج کے بارے میں کیسی کچھ صحیح رائے تھی۔ علیؓ و معاویہؓ کی ذہنیتوں میں بڑا فرق یہی تھا کہ اول الذکر سیاسی معاملات کے تصفیہ کی غرض سے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈالنے میں تامل نہ کرتے اور آخر الذکر اگر بال برابر بھی تعلق باقی رہتا اسے کبھی نہ

[1] اہل عرب سیاسی مدبر کو کسریٰ سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔

توڑتے حزم واحتیاط سے کام لیتے۔

زمام خلافت ہاتھ میں لیتے ہی جن مشکلات اور اہم مسائل کا انہیں سامنا کرنا پڑا وہ یہ تھے:۔ (۱) بدنظمی و فتنہ و فساد کو دور کر کے نظم قائم کرنا (۲) خانہ جنگیوں میں اقتصادی حالت مملکت کی جو ابتری ہو گئی تھی خاص کر عراق[1] و ممالک شرقیہ میں اسے درست کرنا۔ (۳) مختلف قبیلوں اور خاندانوں میں خانہ جنگی کے نتیجے میں مخاصمت اور دشمنی کی جو آگ بھڑک گئی تھی اسے ٹھنڈا کرنا۔ (۴) ملت کی حربی قوت کو بحال کر کے دشمنان اسلام سے کامیاب مقابلہ کے لئے تیار کرنا۔

ان سب پیچیدہ و اہم مسائل و مشکلات کو جس خوبی و خوش اسلوبی سے حضرت معاویہؓ نے چند ہی سال کے عرصہ میں حل کیا ہمعصر اکابر صحابہ و عظمائے ملت حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ و عبداللہ بن عباسؓ وغیرہم کے کلمات تحسین سے ثابت ہے جن میں واضح طور سے بتایا گیا ہے کہ قیادت و سرداری کی صفات حسنہ میں معاویہؓ اپنے سب معاصرین و اجلہ صحابہ سے بلند تھے (ملاحظہ ہو کتاب خلافت معاویہؓ و یزید صفحہ ۴۹) حلم کی خاصیت ان میں بدرجہ اتم تھی اور حلم سے مراد عربوں کے تخیل میں مختلف و متضاد خاصیتوں و اوصاف درشتی و نرمی سختی اور حملی وغیرہ کا معتدل طریقہ پر ہم آہنگ ہونے العدل و الضاف و قوت و مضبوطی سے ان کو برمحل برتنے سے تھا[2] ان سب اوصاف کے مجموعے کے بعد اور بھی چیزیں ہیں یعنی پختگی رائے و سخاوت و بخشش و مروت سے مخالفین کو زیر کرنا جہاں کوڑے سے کام چلے وہاں تلوار سے اور جہاں زبان سے رام ہو سکے وہاں کوڑے سے کام نہ لینا بھی شامل ہے، ان کا قول تھا کہ کوئی جرم ایسا نہیں جو میری معافی سے دھویا نہ جا سکے، ان کے صبر اور دریا دلی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ حلم محض مقصد نہیں ذریعہ تھا اور اس ذریعہ سے پورا پورا کام لے کر آٹھ دس برس کے قلیل عرصہ میں بگڑی حالت سنوار دی ایک مستشرق نے ان حالات پر بے لاگ تبصرہ

[1] جنگ جمل کے بعد ہی حضرت علیؓ نے بصرے کے بیت المال کی تمام رقم جو ساٹھ لاکھ سے زاید تھی وہ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دی ہر ایک کے حصہ میں پانسو کی رقم آئی (طبری ص۲۲۳ ج ۶) کوفہ کے بیت المال پر صفین کے اخراجات کا بار پڑا پھر پانچ کروڑ کی رقم حضرت حسن رضؓ نے بعد صلح وصول کر لی تھی۔ [2] محقق لامن کا قول ہے کہ حلم کا صحیح مفہوم فرانسیسی زبان کے کسی ایک لفظ میں ادا نہیں ہو سکتا۔

کرتے ہوئے لکھا ہے کہ صدر اسلام کی سیاسی تاریخ کا یہ سبق آموز واقعہ ہے کہ پیغمبر اسلام کے داماد اور چچیرے بھائی (علی رضؓ بن ابی طالب) کے مختصر سے ایام میں مسلمانوں کی سیاسی کشتی جو خانہ جنگیوں، فتنہ و فساد اور طوائف الملوکی کے خوفناک بھنور میں پھنس گئی تھی اور قریب تھا کہ قبائلی دشمنیوں کے تھپیڑوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے قدرت نے محمد (صلعم) کے سیاسی حریف (ابو سفیانؓ) کے فرزند جلیل معاویہؓ کے تجربہ کار ہاتھوں سے بروقت کام لے کر مسلمانوں کی اس سیاسی کشتی کو تباہی سے نہ صرف بچا لیا بلکہ ان کے زیر قیادت اور ان کے حسن سیاست کی بدولت کامرانی اور عروج پر گامزن کر دیا۔ بدنظمی و طوائف الملوکی دور ہو کر ترقی پذیر منتظم اسٹیٹ از سر نو وجود میں آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ہی ارتداد کے فتنہ نے سر اٹھایا تھا، آپ کے خلیفہ اول و بلا فصل حضرت صدیق اکبرؓ کی لاثانی ہمت و استقلال نے اس کا سر کچل کر مسلمانوں کی سیاسی قوت کے پودے کی آبیاری کی:۔

ہمتِ او کشتِ امت را چو ابر ؎ ثانیِ اسلام و غار و بدر و قبر

پھر فاروق اعظمؓ کے لاثانی حسن تدبیر سے پروان چڑھا، برگ و بار لایا، آخر عہد عثمانی میں رقابتوں کی آندھیوں نے جڑیں اس کی ہلا دیں عہد علوی میں قریب تھا کہ جڑ ہی سے اکھڑ جائے حضرت معاویہؓ کے تجربہ کار ہاتھوں سے پھر اپنی جگہ قایم ہو گیا، امت نے ممنونیت کے ساتھ ان کے حسن سیاست کا اعتراف کیا رائے عامہ کا وزن اموی قیادت کے حق میں روز بروز زیادہ ہوتا گیا۔ جمل و صفین کے واقعات ایسے اندوہناک تھے کہ ان کا خیال کر کے لوگوں کے دل لرز جاتے تھے۔ اس لئے سیاسی مبصرین یہ بات سوچنے لگے تھے کہ کہیں یہ حالت معاویہؓ کی آنکھیں بند ہوتے ہی پھر نہ عود کر آئے۔ رسول اللہ صلعم کے صحابی جلیل حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا شمار صف اول کے سیاسی مدبرین میں تھا، انہوں نے اس مسئلہ پر بہت غور کیا، اپنے مرنے سے ایک سال پہلے ایک تجویز اپنے ذہن میں جب پختہ کر لی بالمشافہ گفتگو کے لئے وہ عراق سے چل کر حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق پہنچے۔ امیر یزیدؒ کی اہلیت کے علاوہ رائے عامہ کا زبردست رجحان چونکہ اموی قیادت کی جانب تھا، علوی قیادت تو پہلے ہی بری طرح ناکام ہو چکی تھی، اہل حجاز میں سے کسی کو بھی سیاست ملکیہ اور امور انتظامیہ سے کوئی لگاؤ یا تجربہ مطلق نہ تھا اور حربی قوت تمام تر امیر یزیدؒ کے حق میں تھی جس کی قیادت و سپہ سالاری ابھی چند روز ہوئے شاندار کامیابی کا مشاہدہ کر چکے تھے حضرت مغیرہؓ نے ان کی ولیعہدی کی جانب حضرت معاویہؓ کو متوجہ کیا اور جیسا خلافت معاویہؓ و یزیدؒ میں تفصیلاً بیان ہوا، اس تجویز و تحریک نے عملی شکل اختیار کی مملکت اسلامیہ کے ہر ہر صوبہ اور ہر ہر قریہ میں رائے عامہ معلوم کی گئی بلا جبر و اکراہ معلوم

کی گئی سو فیصدی ووٹ امیر یزیدؒ کے حق میں آئے۔

فسق و فجور کی وضعی داستان

ابن جریر طبری نے یہ وضعی داستان علی بن مجاہد کی روایت سے شروع کی ہے جس کے بارے میں محدث ابن معین کا قول ہے کہ وہ حدیثیں و روایتیں وضع کیا کرتا تھا (میزان الاعتدال ص ۲۳۲ ج ۲) روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت مغیرہؓ گورنر عراق نے اپنی ضعیفی کی وجہ سے حضرت معاویہؓ کے پاس آ کر استعفا دیدیا جو منظور ہوا، سعید بن العاص کا ان کی جگہ تقرر کرنا چاہا۔ حضرت مغیرہؓ کا کاتب (سکریٹری) نامزد گورنر کے پاس ملنے گیا، اس کی اطلاع جب حضرت مغیرہؓ کو ہوئی اتنی سی بات پر ایسا طیش آیا کہ سیدھے امیر یزیدؒ کے پاس پہنچے ولیعہدی کی تجویز پیش کی جس کا ذکر یزیدؒ نے اپنے والد سے کیا حضرت معاویہؓ نے اس تجویز کو پسند کیا، حضرت مغیرہؓ کو ان کے عہدے پر بحال کر کے بیعت ولیعہدی کا انتظام کرنے کی ہدایت کی۔ فامرہ ان یعمل فی بیعۃ یزید (طبری ص ۱۶۹ ج ۶) گویا بنیاد داستان کی اس روایت سے ڈالی گئی مگر جھوٹ بولنے کو بھی ہنر چاہئے۔ دو عظیم المرتبت مدبرین سے کیسی طفلانہ باتیں منسوب کی ہیں۔ اسی سلسلہ میں دوسری وضعی روایت یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ نے بیعت ولیعہدی کے متعلق اپنے سوتیلے بھائی امیر زیاد بن ابو سفیانؓ گورنر بصرہ سے مشورہ چاہا انہوں نے اپنے ایک معتمد سے کہا کہ یزید کی طبیعت میں کاہلی اور سہل انگاری بہت ہے، اس پر طرہ یہ کہ صید و شکار کا گرویدہ رہتا ہے و یزید صاحب رسلۃ و تھاون مع ماقد اولع من الصید" (طبری ص ۱۶۹ ج ۶) تم میری طرف سے امیر المومنین کے پاس جاؤ اور یزیدؒ کے جو حالات میں نے بیان کئے ہیں ان کی اطلاع ان کو کر دو فاخبرہ عن فعلات یزید (ایضاً) اس میں شک نہیں کہ امیر یزیدؒ بڑے شکاری اور نیزہ بردار شہسوار تھے پروفیسر ہٹی نے اسلام میں پہلا بڑا شکاری انہیں کہا ہے۔ (THE FIRST GREAT HUNTER IN ISLAM) اور لکھا ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایک چیتا کو سدھایا تھا کہ گھوڑے کے دُمچی کے پچھلے حصہ پر سوار چلا کرے، مورخ الخضری نے بھی لکھا ہے کہ یزید شکار کے بڑے شوقین تھے (ص ۲۴۰ ج ۲) مگر شکار کا شوقین ہونا اور شکاری چیتے پالنا تو ممنوع نہیں۔ قرآن مجید میں شکاری چوپایوں اور پرندوں کے ذریعہ شکار کھیلنے کے احکام ہیں۔ خدا نے جب شکار حلال کیا اسے حرام کون کہہ سکتا ہے اور امر مباح کے مرتکب کو فاسق کیسے کہا جا سکتا ہے پھر عجیب بات یہ ہے کہ یہ عادتیں اگر بری تھیں ان کا حال سیکڑوں کوس دور بصرے میں بیٹھے ہوئے امیر زیاد کو تو ہو گیا حضرت معاویہؓ کو نہ ہوا جن کو مطلع کرنے کے لئے

پیغام بھیجا گیا، بہر حال ولیعہدی کی تجویز و تحریک کے زمانہ میں صرف یہی باتیں کہی گئیں بیعت ولیعہدی کے سلسلہ میں حضرت حسین رضؓ و ابن زبیر رضؓ نے حسب و نسب کی بناء پر اپنی برتری امیر یزیدؒ پر ظاہر کرنے کی غرض سے سب کچھ کہا لیکن نہ ان باتوں کو زبان پر لاتے اور نہ شراب نوشی یا تارک صلوٰۃ ہونیکا اشارۃً و کنایۃً ذکر کیا۔ اسی سے ثابت ہے کہ یہ اتہامات حادثہ کربلا کے بعد تراشے گئے۔ بلاذری نے کتاب انساب الاشراف میں جہاں امیر یزیدؒ کے پابند صوم و صلوٰۃ ہونے نیک کاموں میں سرگرمی سے حصہ لینے مسائل فقہ پر گفتگو کرنے نیز ان کی نیکوکاری کے بارے میں حضرت ابن عباس رضؓ اور حضرت محمد الحنفیہ رحؒ برادر حسین رضؓ کے اقوال نقل کئے ہیں وہاں متقدمین کی عام روش کے مطابق متضاد روایتیں بھی درج کردی ہیں امیر یزید رحؒ پر جس روایت میں شراب نوشی کرنے، گانے بجانے میں منہمک رہنے، چھوکرے چھوکریاں رکھنے، بندروں کا تماشہ دیکھنے اور کتوں سے کھیلنے کے الزامات تراشے گئے ہیں۔ اس کو سب سے پہلے ان راویوں کی سند سے درج کیا ہے یعنی حدثنی العمری عن الہیثم بن علی عن ابن عیاش عن ھشام ابن کلبی عن ابیہ و ابی مخنف وغیرھما ابی مخنف اور ہشام کلبی کا باپ محمد بن سائب کلبی جن سے دوسروں نے یہ مکذوبہ روایت بیان کی ہے اول تو امیر یزیدؒ کے ہمعصر نہیں تقریباً ایک صدی بعد کے ہیں پھر جملہ مستند کتب نقد رجال و الجرح والتعدیل میں ان دونوں کو کذاب کہا گیا ہے۔ امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ محمد بن سائب کلبی اس عقیدے کا سبائی تھا کہ علی رضؓ کو موت نہیں آئی وہ دنیا میں لوٹ آئیں گے اور اس کو عدل و انصاف سے بھردیں گے جیسے وہ ظلم و جور سے بھری ہے۔ اس کے بیٹے ہشام متوفی ۲۰۴ھ کو ابن عساکر نے رافضی و نامعتبر کہا ہے اور دارقطنی نے متروک اسی طرح ابن عیاش کو کثیر الخطاء (ص۱۱۳ ج ۱) اور الہیثم بن عدی کو ابو داؤد و یحییٰ نے کذاب بتایا ہے۔ امام بخاری نے فرمایا ہے:۔

لیس بثقۃ کان یکذب (ص۲۶ ج ۳) یعنی وہ غیر معتبر ہے اور جھوٹ بکتا تھا اس قماش کے کذاب راویوں کی مکذوبہ روایتوں سے مختلف کتب تاریخ وغیرہ کے اوراق سیاہ ہوئے جو عہد عباسیہ میں بیشتر غالی مولفین نے تالیف کیں، دوسری جانب حضرت حسین رضؓ کے واقعہ کو افسانوی رنگ میں پیش کرنے کی غرض سے مناقب کی موضوعات کا انبار در انبار لگا دیا گیا۔ یہ سرمایہ کذب و افترا متاخرین تک پہنچا ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ نے اپنے شہرۂ آفاق مقدمہ تاریخ میں امیر یزید رحؒ کی ولیعہدی پر تفصیلاً گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "حضرت

معاویہ رضؓ کی شان میں کوئی بدگمانی نہیں کیجا سکتی کیونکہ ان کی صحابیت اور صحابیت کا لازمی عدالت ہر قسم کی بدگمانی سے مانع ہے پھر ان کے اس فعل کے وقت سینکڑوں صحابہ کا موجود ہونا اور اس پر ان کا سکوت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس امر میں حضرت معاویہ رضؓ کی نیک نیتی مشکوک نہیں تھی کیونکہ یہ صحابہ کرام حق کے معاملہ میں چشم پوشی اور نرمی کے کسی طرح بھی روادار نہیں ہو سکتے تھے اور نہ معاویہ رضؓ ہی ایسے تھے کہ قبول حق میں حب جاہ ان کے آڑے آجاتی یہ سب اس سے بہت بلند ہیں اور ان کی عدالت ایسی کمزوری سے یقیناً مانع ہے۔"

ابن خلدون کے مندرجہ فقرے سے بالبداہت ثابت ہے کہ بیعت ولیعہدی کے وقت تک تو وہ امیر یزید رحؒ کو فاسق و فاجر تسلیم نہیں کرتے مورخین کا بیان ہے کہ ۵۶ھ میں ولیعہدی کی بیعت مکمل ہوئی، بالفاظ دیگر امیر یزید رحؒ متولد ۲۲ھ سے ۳۴ سال کی عمر تک کسی قسم کے فسق و فجور کا ارتکاب نہیں ہوا، تاریخی واقعات بھی اس کے شاہد ہیں کہ ۴۹ھ میں حضرت حسین رضؓ اور ممتاز صحابہ کی جماعت ان کی قیادت اور سپہ سالاری میں قسطنطنیہ کے جہاد میں شریک ہوئی اور اپنے قائد و سپہ سالار کی امامت میں مہینوں تک پنج وقتہ نمازیں پڑھیں پھر ۵۰ھ سے ۵۲ھ تک ان کی امامت میں مناسک حج ادا کئے ان کے خطبات سنے ان کی امامت میں نمازیں ادا کیں اگر کسی قسم کے فسق کا شائبہ بھی ان میں ہوتا تو حضرت حسین رضؓ ان کے پیچھے نمازیں ہرگز نہ پڑھتے اور نہ اپنی بھتیجی سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر طیار رضؓ کو ان کے حبالہ عقد میں آنے دیتے۔ ابن خلدون نے مندرجہ بالا الفاظ میں حضرت معاویہ رضؓ اور سینکڑوں صحابہ کی پوزیشن کو جنہوں نے ولیعہدی کی بیعت کی تھی، غالی راویوں کے مطاعن سے بچانے کی کوشش ضرور کی ہے، ان کی اسی بات کی ستائش کتاب خلافت معاویہ رضؓ و یزیدؒ میں کی گئی تھی لیکن حضرت حسین رضؓ کے اقدام خروج پر جہاں گفتگو کی ہے وہ ان کے پوزیشن کو صاف کرنے کی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے، حضرت معاویہ رضؓ کی وفات صحیح روایت کے مطابق ہر رجب ۶۰ھ کو ہوئی، امیر یزیدؒ موجود نہ تھے کسی مہم پر باہر گئے ہوئے تھے محترم والد کی شدید علالت کی اطلاع ملتے ہی واپس آئے مگر تدفین کے بعد پہنچے سیدھے باپ کی قبر پر گئے پھر جامع مسجد آکے خطبہ دیا اور مسند خلافت پر متمکن ہوئے، عمال حکومت، افسران افواج کے علاوہ مستقر خلافت کے صحابہ و تابعین، ہاشمی و اموی اکابرین سب نے ہر دلعزیز

ولیعہد کی بیعت خلافت خوش دلی کے ساتھ کی پھر تمام صوبوں میں جہاں جہاں اطلاع پہنچتی گئی دستور کے مطابق بلاکسی اختلاف کے بیعت موکد ہوتی گئی، گورنر مدینہ کو یہ اطلاع ۲۷ رجب کی شام کو ملی اسی وقت اکابرین مدینہ کو طلب کیا، حضرت حسینؓ اور ابن زبیرؓ یہ کہہ کر کہ صبح کے وقت جب سب لوگوں کو بلاؤ گے ہم بھی موجود ہوں گے رات ہی میں مکہ چلے گئے۔ بیعت سے تخلف و گریز کرنے کی وجہ اور حجاز کا برملا اظہار کرنے کی جرأت نہ کی مکہ کے قریب حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ملاقات ہوئی انہوں نے ان دونوں حضرات سے طرز عمل کے بارے میں فرمایا تھا اتقیا اللہ ولا تفرقا جماعۃ المسلمین۔ (تم دونوں اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کی جماعت میں پھوٹ مت ڈالو) ان حالات کے اعتبار سے ابن خلدون کا یہ کہنا کہ حضرت حسینؓ نے اس وجہ سے بیعت نہیں کی تھی کہ یزید کی ذات میں فسق ان کے ایام خلافت میں پیدا ہو گیا تھا حدث فی یزید من الفسق ایام خلافتہ (مقدمہ تاریخ ص۲۱۲) مہمل سی بات ہے۔ ایام خلافۃ کی نوبت ہی کہاں آنے پائی تھی مسند نشینی کی خبر سنتے ہی یہ دونوں طالبان خلافت حضرت حسینؓ و ابن زبیرؓ کسی سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق اور گورنر مدینہ کو جھکائی دیکر اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ ان کا طرز عمل اس بات کی بین دلیل ہے کہ موت معاویہؓ کا انتظار ہو رہا تھا کیونکہ حضرت حسینؓ تو پہلے ہی کوفیوں کو ان کے خط کے جواب میں لکھ چکے تھے کہ جب تک معاویہؓ زندہ ہیں اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے رہو ان کا واقعہ پیش آ گیا تو دیکھا جائے گا، تم بھی سوچنا ہم بھی سوچیں گے، بالفاظ دیگر اس وقت انقلاب حکومت کا اقدام کیا جا سکے گا، ابن خلدون نے مندرجہ بالا فقرے کے ساتھ ہی یہ لکھا ہے کہ "خبردار! کہیں تم معاویہؓ کے بارے میں یہ بدگمانی نہ کرنے لگنا کہ وہ یزید کے فسق کو جانتے تھے کیونکہ وہ تو اس بدگمانی سے بمراتب عادل وافضل ہیں" اور یہی بات مبایعین صحابہ کے متعلق بھی کہی ہے اس سے ظاہر ہے کہ ابن خلدون نے یہ باتیں کہہ کر ایک طرف تو حضرت معاویہؓ اور دوسرے صحابہ کی پوزیشن کو غالی راویوں کے مطاعن سے بچانے کی کوشش کی اور دوسری جانب مناقب حسینؓ کی موضوعات کے پیش نظر انہیں بدعقیدہ ہونے کو بھی تیار نہیں کہ طلب خلافت کے اقدام کو سیاسی خروج کہہ سکیں فسق یزید کی مکذوبہ روایتوں کی آڑ لیکر اور اس اقدام کو اجتہاد سے تعبیر کر کے اسوۃ المجتہدین فرمادیا مگر اپنے ہی اس قول کو اور اس سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہو نظر انداز کر دیا یعنی حضرت معاویہؓ کو مرتے دم تک اپنے بیٹے کے فسق کا جو ہر وقت ان کے نظروں کے سامنے رہتے تھے جب کوئی علم نہ ہوا اور نہ دوسرے صحابہ کو تو سیکڑوں کوس دور بیٹھے ہوئے حضرت حسینؓ و ابن زبیرؓ کو کیسے ہو گیا اور اگر یہی بنا پر خروج کیا تھا تو یہ کیسا اور کس نوعیت کا فسق تھا کہ کوفیوں کی امداد و نصرت سے جب مایوسی کا سامنا کرنا پڑ گیا تو اسی امیر المومنین کے ہاتھ میں ہاتھ دینے اور بیعت کرنے پر آمادہ ہو گئے جس کے مزعومہ فسق کی بنا پر یہ اقدام کیا تھا حتیٰ اضع یدی

فی ید یزید بن معاویہ کے الفاظ تو ہر مورخ نے لکھے ہیں، ابن خلدون نے ولیعہدی کی بیعت کے سلسلہ میں تو بہت اچھی بحث کی ہے جیسے کتاب خلافت معاویہؓ و یزیدؒ میں نقل کرتے ہوئے تحسین بھی کی گئی لیکن اقدام خروج کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینے میں شاید عقیدت حسینؓ ان کے مانع آئی۔ عقیدت کی بات تو اور ہے امور واقع تاریخی کی بے لاگ تحقیق (ریسرچ) شے دیگر است۔ داستان فسق و فجور کے راویوں کا مختصراً ذکر ہو چکا اس سلسلہ میں ان چند حقائق کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے یعنی جب حضرت حسینؓ ہی کے عزیز و قریبی رشتہ دار مثلاً ان کے بہنوئی اور رسول اللہ صلعم کے پرورش یافتہ صحابی حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ امیر یزیدؒ کو فداک ابی و امی سے خطاب کریں، ان کے صاحبزادے معاویہؓ جعفری ہاشمی جن کے بارے میں مورخ لکھتے ہیں کہ امیر یزیدؒ کے عزیز دوست تھے وفیشا معتاد الہاشمی صکل یقال لیزید بن معاویہ الاموی (الاعلام الزرکلی ص۱۷۳) جو یزید میں ان کا یہ شعر بھی ہو:۔

اذا مذق الاخوان بالغیب وُدّھم ؛ فسبل اخوان الصفاء یزید

حضرت حسینؓ کے ذی علم و عالی منزلت بھائی حضرت محمد الحنفیہ اپنی ذاتی واقفیت سے ان تمام بہتانات کی پرزور تردید کریں جو شراب نوشی و ترک صلوٰۃ کے امیر یزیدؒ پر عاید کئے گئے تھے حضرت حسینؓ کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ حبر الامت امیر موصوف کی علمی قابلیت و نیکوکاری کا اعتراف کریں اور بطیب خاطر بیعت کریں اور دوسروں کو بیعت کی ترغیب دیں حضرت حسینؓ کو خروج کرنے سے منع کریں پھر حضرت حسینؓ کے صاحبزادے علی بن الحسینؓ (زین العابدین) حادثہ کربلا کے بعد بھی ہاتھ اٹھا اٹھا کر امیر یزیدؒ کو دعائیں دیں ان کی وفات ہو جانے کے بعد جب اموی لشکر مکہ سے واپس ہوتا ہوا مدینہ سے گزر رہا ہو فوج کے گھوڑوں کے لئے دانے چارہ کا از خود بندوبست کریں حسینؓ و یزیدؒ کے گھرانوں میں مناکحت و مصاہرت کا سلسلہ واقعہ کربلا کے بعد بھی قائم رہے، قدیم مورخین امیر یزیدؒ کے علم و کرم کو سراہیں اور کہیں کان یزید صبوراً (عیون الاخبار ابن قتیبہ) یعنی یزیدؒ بردبار وحلیم تھے بعض شعراء بہتانات کی تردید کریں اور کہیں:۔

دع القول ان یزید ما ؛ شرب الخمور ولا فجرا[1]

تو ان حالات و واقعات کے ہوتے ہوئے کذاب راویوں کی داستان فسق و فجور کی کیا حقیقت باقی رہتی ہے۔ ہمارے مقدسین کے جاننے والوں کو ان کے ذاتی و مباحثے جو اپنی مکذوبہ روایتوں پر زیادہ تر مبنی ہیں وہ تاریخی ریسرچ سے غیر متعلق ہیں

[1] مستشرق گولڈ زیہر نے اپنی کتاب "LITTERAT DER SIRA" میں اس شاعر کا یہ شعر درج کیا ہے۔

اور موجب طوالت بھی' لفظی ترمیم کے ساتھ غالب کی زبان سے یہ کہہ دینا کافی ہے "

گرد ہم شرح ستمگاری ملا غالب رسم انصاف ہمانا زجہاں برخیزد

خروج حکومت و سلطنت یا سیاسی نظام میں انقلاب بپا کرنے کے لئے جو اقدام بھی کیا جائے خروج کہلاتا ہے "خرج علیہ" اور "خرج علی" سے مطلب لڑائی کے لئے نکلنا اور تمرد بغاوت سے ہے اپنے مقدمہ تاریخ میں خود ابن خلدون نے متعدد جگہ یہ لفظ اسی معنی و مفہوم میں استعمال کیا ہے مثلاً" فرای الحسین ان الخروج علی یزید متعین من اجل فسقہ (صہ ۲۱۶) یعنی حسینؓ نے خیال کیا کہ یزید کے خلاف خروج اس کے فسق وجہ سے لازم ہو گیا۔ صحابہ کرام نے بھی ان کے اقدام کو خروج ہی کہا حضرت ابو سعید الخدریؓ نے فرمایا تھا :۔

غلبنی الحسین علی الخروج وقد قلت لہ اتق اللّٰہ فی نفسک والزم بیتک فلا تخرج علی امامک۔	حسینؓ نے خروج کے لئے مجھ پر زور دیا تو میں نے ان سے کہا اپنے دل میں خدا کا خوف کرو، گھر میں بیٹھے رہو اور اپنے امام (یعنی امیر المومنین یزیدؒ) کے خلاف خروج مت کرو۔

(تاریخ الکبیر ابن عساکر صہ ۳۲۸ ج ۴)

ان کے عزیزوں اور بھائیوں نے بھی اس اقدام کو خروج ہی کہا جناب عمر بن علیؓ کے بارے میں خود شیعہ مورخ نے لکھا ہے کہ ان کے بھائی نے خروج میں ساتھ دینے کو کہا مگر انہوں نے ساتھ نہ دیا قد دعاہ الی الخروج معہ فلم یخرج (عمدۃ الطالب صہ ۹۹) غرضیکہ انقلاب REVOLUTION کے لئے جو قدم اٹھایا جائے اصلاح کی غرض سے ہو یا بقول بعض "تطہیر خلافت" کے مقصد سے دو حال سے خالی نہیں۔ انقلاب پیدا کرنے والے کامیاب ہوں تو خود نئی حکومت و خلافت کی تشکیل و تاسیس کر لیتے ہیں۔ ناکام رہیں تو حکومت وقت کے نزدیک بغاوت کے مجرم قرار پاتے ہیں' تمام سیاسی نظاموں کا اسلامی ہوں یا غیر اسلامی انقلاب کے بارے میں یہی نظریہ یہی قانون ہے' ہمارے پاکستان کے سپریم کورٹ کے ممتاز ماہر قانون مسٹر جسٹس منیر نے اپنے فاضلانہ فیصلہ میں لکھا تھا۔ "یہ بات قانون کے نقطہ نظر سے کسی اہمیت کی حامل نہیں کہ انقلاب کس طریقہ سے اور کن اشخاص کے ذریعہ پیدا کیا گیا' تشدد اور پرامن دونوں طرح عمل میں آسکتا ہے کوئی سیاسی قسمت آزما یا حکومت ہی کا کوئی رکن انقلاب پیدا کرنے کا ذریعہ ہو سکتے ہیں' قانون کی نظر میں یہ بات بھی غیر متعلق ہے کہ انقلاب کا محرک اصلی کیا تھا رائج الوقت آئینی نظام کو مٹانے کے لئے بلند ترین جذبہ حب وطنی اور پست ترین مطلب برآری دونوں کارفرما ہو سکتے ہیں...... انقلاب حکومت اور شکست آئین کی کوشش ناکام ہو تو ایسے اشخاص رائج الوقت آئین کے لحاظ سے جرم بغاوت کے مرتکب قرار پاتے ہیں اور کامیاب ہوں تو انقلاب خود ایک قانون ساز حقیقت (حکومت) بن جاتا ہے (دی اسٹیٹ بنام دوسو۔ پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۵۸ء ملخصاً") دنیا میں سب سے پہلا اور قدیم ترین کانسٹی ٹیوشن یعنی دستاویز نظام سیاسی آنحضرت صلعم کا وہ معاہدہ ہے جو مدینہ تشریف آوری کے بعد ہی انصار و مہاجرو یہود کے مابین مرتب کیا تھا جس میں دیگر سیاسی امور کے علاوہ ہر شخص کے تین بنیادی حقوق قابل احترام قرار دیئے گئے یعنی جان مال و آبرو بلا امتیاز نسل و قوم و دین و ملت محفوظ رکھے گئے۔ پھر آپ نے متعدد ارشادات میں حکمراں کے خلاف خروج سے منع فرمایا ہے۔

اسوۂ عثمانی

خلفائے راشدین میں پہلی شہادت حضرت عمرؓ کی تھی جو عجمی سازش سے ہوئی قاتل اور سازش کے شرکاء کو قصاص میں قتل کر دیا گیا' حضرت علیؓ کو ابن ملجم نے دیگر خارجی مقتولین کے انتقام میں یہ کہہ کر شہید کیا کہ انہ قتل اخواننا الصالحین (تاریخ الخمیس صہ ۳۱۴ ج ۲) ان کے قاتل کو بھی حضرت حسینؓ نے ایک ایک عضو اس کا کاٹ کر آگ میں جلا دیا (صہ ۳۱۵) حضرت عثمان ذی النورینؓ کی خلافت کے خلاف پروپیگنڈا برسوں سے جاری تھا حتیٰ کہ اس عظیم کارنامے پر کہ اختلاف قرات کو مٹا کر مسلمانوں کو ایک مصحف پر متحد کر دیا' اعتراضات کئے گئے حالات جب مخدوش ہوتے گئے حضرت معاویہؓ نے امیر المومنین کی حفاظت جان کے لئے تجویز میں پیش کیں جو یہ کہہ کر مسترد کر دیں کہ جوار رسول اللہ میں نہ کسی کلمہ گو کا خون بہانے کا روادار ہوں نہ تحفظ جان کے لئے کسی فوجی دستہ کا بار بیت المال پر ڈالنے کا۔ بلوائی قاتلین نے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا مسجد نبوی میں خطبہ دیتے ہوئے عصائے نبوی دست مبارک سے چھین کر توڑ ڈالا' پتھر مار کر زخمی کیا بے ہوشی کی حالت میں گھر پہنچائے گئے پھر مسجد میں نماز بھی نہ پڑھنے دی' پانی بھی اس دریا دل داماد رسول پر بند کر دیا جس نے میٹھے پانی کے کنویں بصرف کثیر خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دئے تھے اسی مخیر صحابی جلیل کے گھر غلہ بھی نہ پہنچنے دیا جس نے سینکڑوں من غلہ ایام قحط سالی میں مسلمانوں میں مفت تقسیم کر دیا تھا' جو مال سے جہاد کرنے میں سب سے آگے رہا۔ غزوہ تبوک میں نو سو اونٹ مع ساز و سامان کے مجاہدین کو عطا کئے ایک ہزار دینار رسول اللہ کی خدمت میں پیش کئے' آپ نے دعائیں دیں جنت کی بشارتیں دیں' جس نے دو ہجرتیں کیں دو مرتبہ رسول اللہ کی دامادی کا شرف حاصل کیا' جو آپ کے بڑے چہیتے' مسلمانوں کے نہایت ہمدرد حلیم الطبع اور اس درجہ سنجیدہ و شرمیلے تھے کہ آنحضرتؐ فرمایا کرتے کہ عثمانؓ سے تو ملائکہ بھی شرم کرتے ہیں' ایک اشارے میں ان کے چاروں طرف سے فوجی دستے پہنچ جاتے' بلوائیوں کا قلع قمع کر دیتے مگر ارشادات نبویؐ اور احکام شریعت کی متابعت میں عدم تشدد و صبر و استقامت کی ایسی عدیم النظیر مثال پیش کی جو تاریخ عالم میں ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتی رسول اللہ کا یہ فرمان ہروقت یاد رکھتے' خبردار! میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن کاٹنے لگو (بخاری) آپؐ کے دوسرے فرمان کی تعمیل میں کہ دیکھنا کبھی اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ بھی نہ کرنا شاید ہتھیار لگ کر خون ہو جائے اور تم جہنم کے گڑھے میں جا پڑو (بخاری) وہ سب تیر جو ان پر پھینکے جا رہے تھے اٹھا اٹھا کر پھینکنے والوں کو ہی واپس کرا دیئے' فرماتے جاتے تھے دیکھو مجھے مت قتل کرو' مجھے قتل کر دیا تو پھر کبھی اکٹھے ہو کر نماز نہ پڑھ سکو گے نہ ساتھ مل کر دشمن سے جہاد کر سکو گے' جو لوگ مسلح ہو کر مدافعت

کے لئے آتے لڑنے سے منع کرتے اور واپس چلے جانے پر مجبور کرتے' حاجیوں کے موسومہ خط میں یہ لکھ کر کہ جو لوگ بجبر و بلاحق منصب خلافت حاصل کرنا چاہتے ہیں میری عمر کے ساتھ اقتدار کے لئے ان کی امیدیں بھی طویل ہو چکی ہیں وہ عجلت سے کام لے رہے ہیں' رسول اللہؐ سے ملنے کی تیاری کرنے لگے اور تلاوت قرآن میں مصروف ہو گئے اور اسی حالت میں ذبح کر دیئے گئے' خون کی چھینٹیں اس مصحف پر پڑیں جو آج بھی تاشقند میں موجود ہے' قاتلین اور بلوائیوں کی حمایت اور اثر سے نئی خلافت قائم ہوئی یہی لوگ جب سیاست وقتی میں دخیل رہے ان سے قصاص کون لیتا کیسے لیتا بقول یہ کہ

وہی قاتل وہی حاکم وہی منصف ٹھہرے اقرباء میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

قصاص بعد میں کس کس طرح لیا گیا اس کا ذکر آ چکا بہرحال یہ ہے صبر و استقامت کی بے مثال مثال' شفقت و اخوت اسلامی کی بے نظیر نظیر' باوجود قدرت کے باوجود معاونین و مدافعین کی موجودگی کے عدم تشدد پر عمل پیرا ہونے کا شاندار نمونہ کہ اجن دے دی اور نہ اٹھے کلمہ گو قاتل پہ ہاتھ۔ یہ ہے تابناک و روشن ترین اسوۂ عثمانی جو رسول اللہ کے اس فرمان کی پوری پوری تعمیل ہے کہ من حمل السلاح علینا فلیس منا (بخاری و مسلم) یعنی جس مسلمان نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھائے وہ ہم سے نہیں' مارنا منظور نہیں مرنا قبول۔

کس نے پائی ہے شہادت ایسی پامردی کے ساتھ جان دیدی اور نہ اٹھے کلمہ گو قاتل پہ ہاتھ
دست بستہ حاضر خدمت ہوں گو صدہا غلام پر وہ رحم مجسم دے نہ اذن انتقام
کیوں نہ خون اس غم میں ٹپکیں دیدۂ غمناک سے صفحہ قرآن پہ گل کاری ہو خون پاک سے
خوں عثمانی ہو اسلامی سیاست کا زوال خون یحییٰ کی طرح ملت پہ ہو اس کا وبال
خانہ جنگی کا اسی تاریخ سے آغاز ہو ٹولیاں بننے لگیں باب مفاسد باز ہو

امت مسلمہ اس ذبیحہ عظیم و اسوۂ عثمانی سے سبق حاصل کرتی تو طلب خلافت کی خون ریزیوں سے اسلامی سیاست کے خدوخال اس درجہ مسخ نہ ہوتے جن کا قدرے اندازہ مسلسل خروجوں کے حالات سے ہو گا جو آئندہ صفحات میں ملاحظہ ہوں' اسلامی تاریخ میں شاید یہی ایک قابل تقلید مثال مفادات امت کے پیش نظر بغیر خون ریزی کے سیاسی انقلاب پیدا کرنے کی ہے جو فیلڈ مارشل محمد ایوب خان اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں عمل میں آیا اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ان حضرات کو کہ اس طرح اسوۂ عثمانی پر عمل تو ہو سکا۔ ابو مخنف وغیرہ جیسے کذاب راویوں کے بیانات ہی کا یہ اثر کہ اسوۂ عثمانی کے بجائے لوگ طلب خلافت کی خانہ جنگیوں اور خون ریزیوں کو نمونہ و مثال قرار دے رہے ہیں دار العلوم دیوبند کے سابق مفتی صاحب نے اس سوال کے جواب میں کہ حضرت عثمانؓ کا مرتبہ زیادہ ہے یا حضرت حسینؓ کا' حضرت عثمانؓ کی شہادت افضل ہے یا حضرت حسینؓ کی' وغیرہ وغیرہ فرمایا تھا۔ "یہ سب سوال فضول اور بے کار ہیں آپ ان کو معلوم کر کے کیا کریں گے۔" الآخرہ (ملاحظہ ہو عکس تحریر) سولہ سترہ برس بعد انہی مفتی صاحب نے اسوۂ حسینی (شہید کربلا) نام کا کتابچہ تصنیف فرمایا جس میں لکھتے ہیں کہ۔ "حضرت حسینؓ کی درد ناک مظلومانہ شہادت پر تو زمین و آسمان روئے' جنات روئے جنگل کے جانور متاثر ہوئے پھر وہی چلتی ہوئی باتیں جو ابو مخنف جیسے کذابین نے امت کی گمراہی کے لئے وضع کیں کتاب میں درج فرما دی ہیں' طلب خلافت کے مسلسل خروجوں اور ان کے تلخ نتائج پر جو شخص بھی ٹھنڈے دل سے غور کرے کہہ اٹھے گا چہ نسبت خروج طلب خلافت را با اسوۂ عثمانی و قربانی ذی النورین صلوۃ اللہ علیہ و سلامہ' مناقب کی وضعی حدیثوں اور جھوٹی روایتوں سے آخر کتمان حق کب تک۔

اولاد حسینؓ اور دیگر علویوں کے خروج و اموی و عباسی خلفاء کے خلاف

نمبر شمار	کس نے خروج کیا	کب اور کہاں کیا	کس خلیفہ کے خلاف کیا
۱	حضرت حسین بن علیؓ بن ابی طالب	۶۱ھ کربلا (کوفہ)	امیر المومنین یزید بن امیر معاویہؓ اموی
۲	زید بن علی (زین العابدین) بن الحسینؒ	۱۲۲ھ کوفہ	امیر المومنین ہشام بن عبد الملکؒ اموی
۳	یحییٰ بن زید بن علی (زین العابدینؒ)	۱۲۶ھ خراسان	امیر المومنین الولید بن یزیدؒ اموی
۴	عبد اللہ بن معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر طیار	۱۲۷ھ کوفہ	مروان بن محمدؒ اموی

۱۔ حضرت حسینؓ کے اقدام خروج اور کربلا پہنچ کر اپنے موقف سے رجوع کر لینے کے حالات و واقعات پہلی کتاب میں درج ہو چکے ہیں۔ یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اسلام میں ولاۃ الامر (حاکمان وقت) کے خلاف پہلا خروج آپ ہی کا تھا۔

۲۔ جناب زیدؒ نے بھی اپنے دادا حضرت حسینؓ کے ناکام خروج کے ٹھیک باسٹھ برس بعد امیر المومنین ہشامؒ جیسے نیک خصال خلیفہ کے خلاف خروج کیا۔ جن کو الامامۃ والسیاسۃ جیسی کتاب کے غالی مؤلف نے بھی محمود السیرۃ میمون النقیبۃ (نہایت شریف مزاج) بتایا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے عہد میں لوگ بڑے امن و سکون اور راحت سے تھے۔ اور انہوں نے اپنی خلافت میں گیارہ حج کئے تھے۔ حج احدی عشرۃ حجۃ وھو خلیفۃ۔ (ص ۲۳ج۲ الامامۃ والسیاسۃ)

شاید یہ تعداد صحیح نہ ہو بہرحال جناب زید کا علم بغاوت بلند کرنا بھی کبیدگی خاطر کی بنا پر تھا۔ کوئی اصولی بات نہ تھی۔ مورخ طبری نے کئی روایتیں ان تنازعات کی بیان کی ہیں۔ جو زید کے اور ان کے چچیرے بھائیوں کے درمیان رہتے تھے حضرت علیؓ کے اوقاف کے بارے میں عبد اللہ المحض بن حسن مثنیٰ بن الحسنؓ سے جھگڑا تھا جس کے تصفیہ کے لئے خلیفہ ہشامؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ حسنی اور حسینی دو پارٹیاں اس بارے میں ہو گئی تھیں۔ اول الذکر کے سرگروہ جعفر بن حسن مثنیٰ تھے۔ اور حسینی پارٹی کے سرگردہ زید مذکور تھے (طبری جلد ۸ صفحہ ۲۶۰) مگر خلیفہ ہشامؒ کے فرمان موسومہ عامل عراق